ماہنامہ

جلد 01 شمارہ 02 مارچ 2024ء

بیت الحکمہ

انٹرنیشنل اسلام آباد

- حمد
- اقبالیات
- نعت
- کالم
- درسِ قرآن
- جدید سکلز
- درسِ حدیث
- انتخاب
- اداریہ
- نثر
- فلسفہ
- شاعری
- نفسیات
- بچوں کی دنیا

ایڈیٹر انچیف: اطلس علی الحمبلی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: مس افرسیاب گل

سرورق: کمپوزنگ، ڈیزائنگ عرفان گرافکس

منتظمین:

مس فرید

عرفان احمد قادری (عرفان گرافکس، کمپوزنگ، ڈیزائننگ)

+092 343 8411184

مفتی محمد ناصر شاہ جمالی

صائم علوی

سلطان محمود کاوش

آصف خان

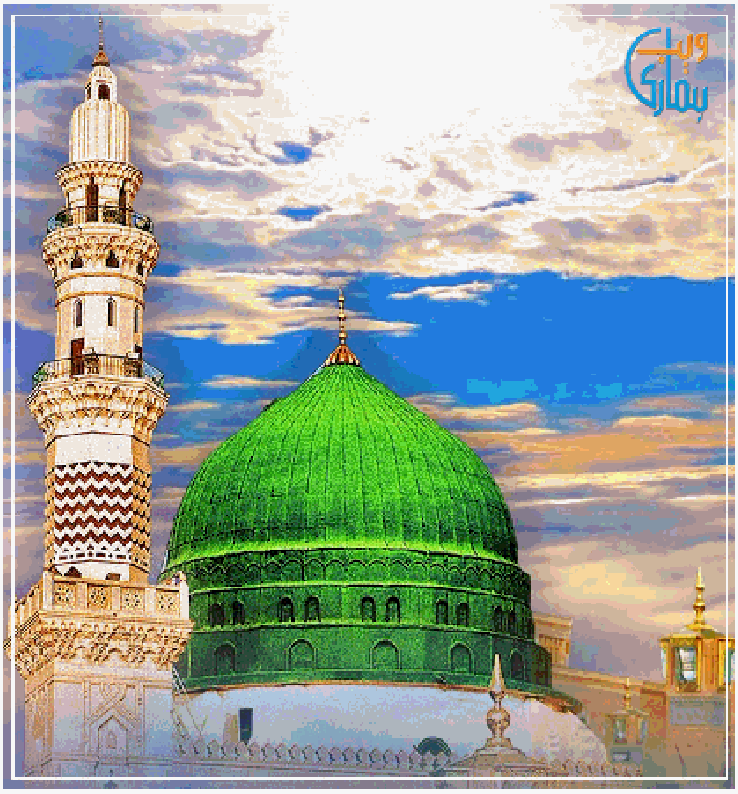
شہزاد احمد

فہرست



اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو — اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو
لاموجود الا اللہ لامشہود الا اللہ — لامقصود الا اللہ لامعبود الا اللہ
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو — اللہ واحد و یکتا ہے
ایک خدا بس تنہا ہے — کوئی نہ اس کا ہمتا ایک ہی سب کی سنتا ہے
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو — جز میں وہ ہے کل میں وہ
رنگ و بوئے گل میں وہ افغان بلبل میں وہ — نغمات قلقل میں وہ
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو — بلبل طوطی پروانہ ہر اک اُس کا دیوانہ
قمری اُس کا مستانہ مور چکور کا جانا نا — اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو
مولا دل کا زنگ چھڑا — قلب نوری پائے جلا
دل کو کر آئینہ — اس میں چمکا دے یہ کلمہ
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو — لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کلام **پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی**



دونوں عالم میں ہے دن رات اُجالا تیرا
چھب انوکھی ہے تری، حسن نرالا تیرا
غنچہ وگل میں ترے نقشِ کفِ پا کی جھلک ہے

بہار چمنستاں میں اُجالا تیرا
مظہر نور ازل مصدر انوار ابد
ازازل تا بہ ابد نور دوبالا تیرا
اے شہ حُسن! دو عالم ترے قدموں پہ نثار

خود بھی شیدائی ہے اللہ تعالیٰ تیرا
زینت بزم جہاں، صورت زیبا تیری
سرو گلزار حقیقت، قد بالا تیرا
جس جگہ تیری جھلک ہو، تری رعنائی ہو
جا ٹھہرتا ہے وہیں، دیکھنے والا تیرا
شب معراج ہے عنوان تری رفعت کا
ذات ارفع ہے تری، ذکر ہے اعلیٰ تیرا
تو ہے وہ شمع ضیا بار دو عالم کے لئے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں کونین اُجالا تیرا
میری مرقد سے نکیرین پلٹ جائیں گے
اُن کو مل جائے گا جس وقت حوالا تیرا
فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللہ سے یہ بات کھلی
تو ہے اللہ کا اللہ تعالیٰ تیرا
حشر میں ایک قیامت میرے دل پر گزری
بن گئی بات، وسیلہ جو نکالا تیرا
صدق دل سے ہے نصیر اہل طلب میں شامل
آسرا حشر میں ہے اے شہ والا! تیرا



آئیں کچھ قرآن پاک سیکھیں۔

تخلیق انسانی کے مراحل۔

الآیہ۔۔۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ. ترجمہ: پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر اُن ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔سورۃ المؤمنون-آیت 14

تفسیر:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً : ۔ترجمہ:۔پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو جما ہوا خون بنا دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں کے رحم میں نطفہ قرار پکڑنے کے بعد والے مراحل بیان فرمائے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو جما ہوا خون بنا دیا پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر اس میں روح ڈال کر اس بے جان کو جان دار کیا، بولنے، سننے اور دیکھنے کی صلاحیت عطا کی اور اسے ایک دوسری صورت بنا دیا جو مکمل انسان ہوتا ہے۔تو بڑی برکت والا ہے۔ وہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

(خازن، المومنون، تحت الآیۃ: ۱۴، ۳/۱۲۳-۲۲۳، مدارک، المومنون، تحت الآیۃ: ۱۴، ص ۷۵۳، ملتقطا)

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سعادت:

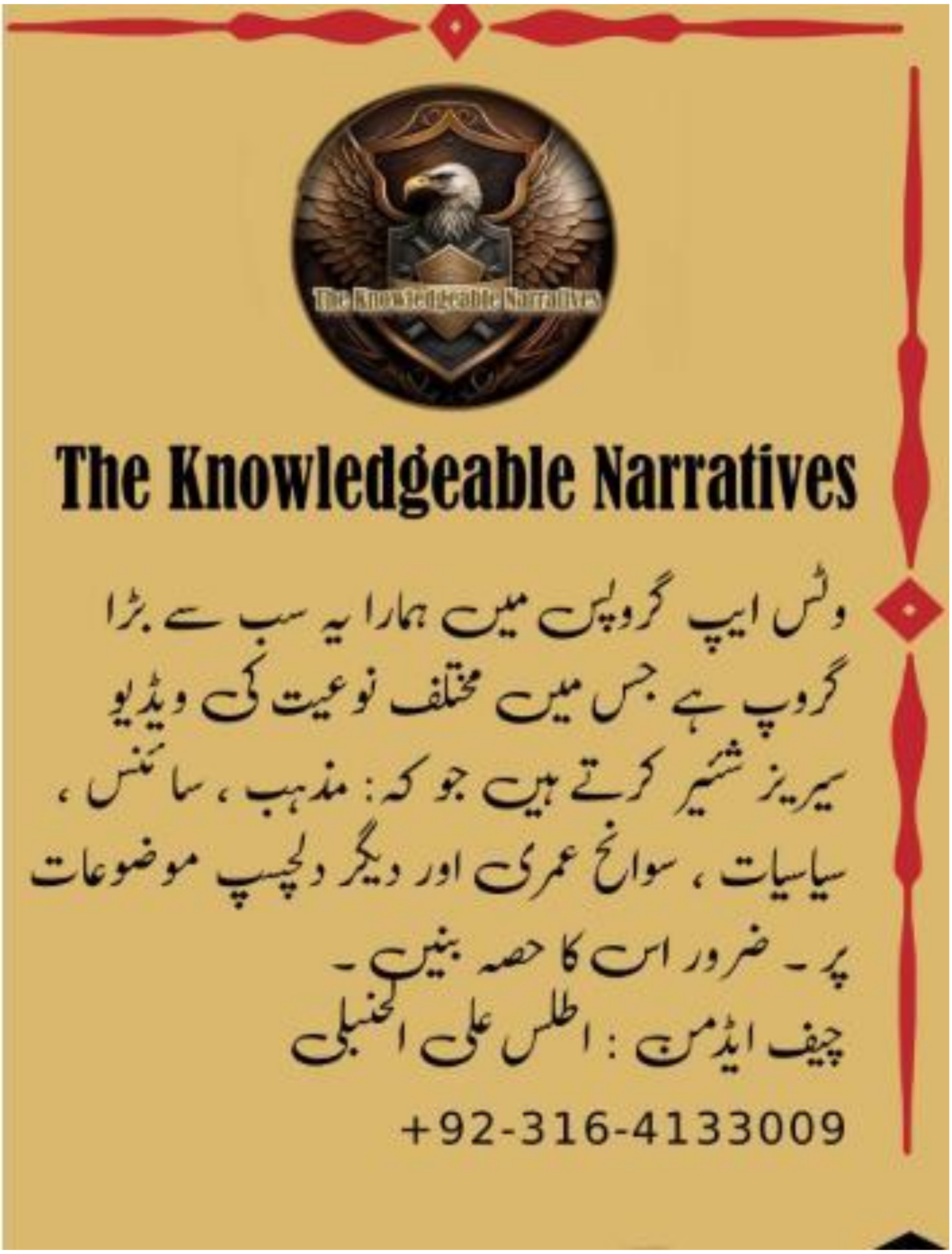
حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے (اس کا ابتدائی حصہ سن کر) کہا "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ"

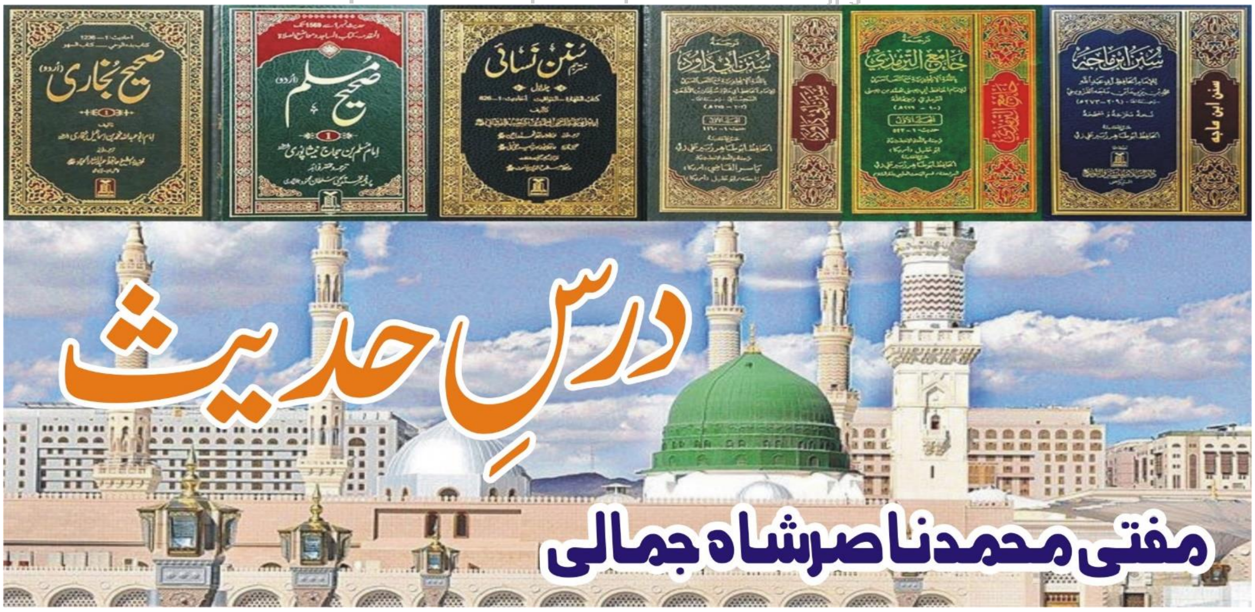
حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے عمر! اسی طرح نازل ہوا ہے۔(تفسیر کبیر، المومنون، تحت الآیۃ: ۱۴، ۸/۲۶۲)

انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے:

انسان کے ظاہر و باطن، اس کے ہر ہر عضو اور ہر ہر جز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی اتنی نشانیاں موجود ہیں جنہیں شمار نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی شرح بیان کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف کے ساتھ اپنی تخلیق کے مراحل اور اپنے جسم کی بناوٹ میں غور و فکر کرے تو اس کے پاس یہ بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو گا کہ ایسی حیرت انگیز تخلیق پر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قادر نہیں اور وہی اکیلا اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ازقلم! ابو یاسر مفتی محمد ناصر شاہ جمالی





آئیں کچھ حدیث پاک سیکھیں!

موضوع۔۔۔تخلیق انسانی کے مراحل

الحدیث۔۔۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ: "اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِّثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ وَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ:

بِکَتْبِ رِزْقِہٖ وَاَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَشَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ .فَوَالَّذِیْ لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ اِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ فَیَدْخُلُھَاوَاِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ حَتّٰی مَا یَکُوْنُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَھَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَیَسْبِقُ عَلَیْہِ الْکِتَابُ فَیَعْمَلُ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَدْخُلُھَا."

(رَوَاہُ الْبُخَارِی وَمُسْلِمٌ)

ترجمہ:

حضرت سیّدنا ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صادق و مصدوق نبی صلّی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ہم سے بیان فرمایا:

"تمہاری پیدائش (کے مادہ یعنی نطفہ) کو ماں کے پیٹ میں 40 دن تک جمع کیا جاتا ہے، پھر 40 دن جما ہوا خون، پھر 40 دن تک مُضْغَہ (گوشت کے لوتھڑے) کی صورت میں رہتا ہے، پھر اللہ پاک اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے، وہ اس میں روح پھونکتا ہیاور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیتا ہے: اس کا عمل، اس کی موت کا وقت، اس کا رزق اور وہ نیک ہے یا بد بخت۔

پس اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بیشک تم میں سے کوئی جنتیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اس کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پس تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے تو وہ جہنمیوں جیسے عمل کرکے جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور بیشک تم میں کوئی جہنمیوں جیسے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے پس تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ جنتیوں جیسے عمل کرکے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔" (بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ۲/۸۳، حدیث: ۸۰۲۳، بتغیر قلیل۔ مسلم، کتاب القدر، باب کیفیۃ الخلق الادمی، ص ۱۰۹۰، حدیث: ۳۲۷۶)

شرح حدیث

سوال نمبر 1۔ صادِق و مَصدُوق کسے کہتے ہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ حدیث شریف میں حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے دو اوصاف "صادق و مصدوق" بیان فرمائے ان کی وضاحت کرتے ہوئے مشہور شارح حدیث، حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صادق وہ جس کے سارے اقوال سچے ہوں، مصدوق وہ جس کے سارے اعمال سچے ہوں۔

یا صادق وہ جو ہوش سنبھال کر سچ بولے اور مصدوق وہ جو پہلے ہی سے سچا ہو یا صادق وہ جو واقع کے مطابق خبر دے اور مصدوق وہ کہ جو وہ اپنی زبان مبارک سے کہہ دے واقعہ اُس کے مطابق ہو جائے۔ حضور صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم میں یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔ (مراۃ المناجیح، 1 / 93)

مختلف مراحل میں انسانی تخلیق کی حکمتیں:

حدیث پاک کے شروع میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کئے گئے ہیں جیسے: "ماں کے پیٹ میں 40 دن تک نطفہ کی صورت میں، پھر 40 دن جما ہوا خون، پھر 40 دن گوشت کا لوتھڑا وغیرہ اور پھر اس میں روح پھونکنے کا مرحلہ"

سوال نمبر 2۔ اتنے مراحل کیوں رکھے گئے؟

حالانکہ اللہ پاک اس بات پر قادر ہے کہ آن کی آن میں انسان کو پیدا فرما دے۔

الجواب:۔ انسان کی اس مرحلہ وار تخلیق میں بیشمار حکمتیں ہیں۔ چنانچہ حضرت سیّدنا علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ انسانی تخلیق کے ان مراحل کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "

(1)... اگر اللہ پاک انسان کو یک دم پیدا کر دیتا تو اس میں اس کی ماں کے لئے بہت دشواری ہوتی کیونکہ وہ اس چیز کی عادی نہیں اور بسا اوقات تو ماں کے ہلاک ہونے کا بھی اندیشہ ہو جاتا۔ اس لیے پہلے نطفہ بنایا، جب اسے اس کی عادت ہوگئی تو اسے جما ہوا خون کر دیا، پھر اس طرح مراحل طے کرکے بچہ مکمل کر دیا۔

(2)... انسان کو مرحلہ وار پیدا کرنے میں اللہ پاک کی قدرت اور نعمت کا اظہار ہے تاکہ بندے اللہ پاک کی عبادت کریں اور اس کا شکر بجا لائیں کہ اس نے کیسے کیسے مراحل سے گزار کر کتنی اچھی صورت میں پیدا فرما کر عقل، فہم اور ذہانت و فطانت سے نوازا۔

(3)... اس میں لوگوں کو اس بات پر تنبیہ ہے کہ اللہ پاک کو حشر و نشر پر کمال قدرت حاصل ہے کہ جس طرح وہ انسان کو ایک بے قدر پانی سے پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ مر کر مٹی بن جانے والے انسان کو دوبارہ اُٹھانے اور حشر میں اس سے حساب و کتاب لینے پر بھی قادر ہے۔" (عمدۃ

القاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، ۱۰/۱۷۵، تحت الحدیث: ۳۲۰۸)

40 کے عدد میں انقلاب ہے:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں:

چونکہ آدم علیہ السّلام کا خمیر چالیس سال اور موسیٰ علیہ السّلام کا قیام طور پر چالیس دن رہا، اس لیئے نطفہ پر ہر چلہ (40 دن) کے بعد انقلاب آتا ہے پھر بعد پیدائش نفاس کی مدت چالیس دن ہے، کمالِ عقل چالیس سال میں ہوتا ہے۔(مراۃ المناجیح، 1 / 93)

کاتبِ تقدیر فرشتے کا علم:

حدیث پاک میں ہے کہ ''پھر اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجا جاتا ہے اور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کا عمل، اس کی موت کا وقت، اس کا رزق اور وہ نیک ہے یا بد بخت'' یعنی کاتبِ تقدیر فرشتہ جو رحموں پر متعین ہے ایک ہی فرشتہ جو سارے عالم کی حاملہ عورتوں کا نگران ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اسے بھیجا جاتا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ یہ کیا کرے گا، کب اور کہاں مرے گا، کیا کیا کھائے گا اور کیا پیئے گا، اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا، یا ایمان پر۔ خیال رہے کہ یہ چیزیں ان علوم خمسہ (پانچ علوم) میں سے ہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا:

"وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (پ ۷، الانعام: ۹۵ ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی)۔

''یہ کاتب تقدیر فرشتہ بتعلیم الٰہی (اللہ پاک کی عطا سے) سارے انسانوں کی یہ ساری چیزیں جانتا ہے۔

مرقاۃ میں ہے کہ یہ باتیں ایک تختی پر لکھ کر بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔

ربِّ کریم ارشاد فرماتا ہے:

''وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۳ ترجمہ: اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی ہے)۔

''غور کرو جب اُس فرشتے کا اس قدر علم ہے تو ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم جو اعلم الخلق (مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے) ہیں ان کا علم تو ہمارے خیالات سے وراء ہے اور یہ تختی پر لکھنا اور گلے میں ڈالنا اسی لئے ہے کہ حقیقت میں نگاہیں اسے پڑھ سکیں۔ خیال رہے کہ تحریر لوح محفوظ میں بھی ہوتی ہے اور شبِ قدر میں فرشتوں کے صحائف میں بھی ہے اور بچے کی پیشانی یا گلے کی تختی یا ہاتھ میں بھی ہے مگر یہ تحریر مختلف ہیں۔(مراۃ المناجیح، 1 / 93، ملخصاً) انسانی تخلیق کے ان مراحل کو اللہ پاک نے قرآنِ مجید میں بھی بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

:وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۪ۖ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا؟ ــثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱۲ تا ۱۶)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اُسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اُٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے پھر اُس کے بعد تم ضرور مرنے والے ہو پھر تم سب قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے۔

انسان کی پیدائش میں چار طریقے اختیار فرمائے گئے:

خلاصہ۔

مذکورہ حدیث شریف اور آیاتِ طیبہ میں انسان کی پیدائش کے مراحل کا بیان ہے۔مزید یہ کہ خلاقِ عالَم جَلَّ جَلَالُہ نے انسانوں کو چار طریقوں سے پیدا فرمایا ہے:

(1)...مرد و عورت دونوں کے ملاپ سے، جیسا کہ عام طور پر انسانوں کی پیدائش ہوتی ہے۔چنانچہ قرآنِ مجید میں صاف صاف اعلان ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (پ۹۲،الدھر:۲) ترجمہ: بیشک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے)

(2)... تنہا مرد سے ایک انسان پیدا ہو:اور وہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا ہیں کہ اللہ پاک نے ان کو حضرت آدم علیہ السّلام کی بائیں (الٹی جانب کی) پسلی سے پیدا فرمادیا۔

(3)... تنہا ایک عورت سے ایک انسان پیدا ہو:اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں جو کہ پاک دامن کنواری بی بی مریم رحمۃ اللہ علیہا کے شکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

(4)...بغیر مرد و عورت کے بھی ایک انسان کو خداوندِ قدوس نے پیدا فرمادیا اور وہ انسان حضرت آدم علیہ السّلام ہیں کہ اللہ پاک نے ان کو مٹی سے بنا دیا۔ان واقعات سے مندرجہ ذیل اسباق کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔کہ خداوندِ قدوس ایسا قادر و قیوم اور خلاق (پیدا کرنے والا) ہے کہ انسانوں کو کسی خاص ایک ہی طریقے سے پیدا فرمانے کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ ایسی عظیم قدرت والا ہے کہ وہ جس طرح چاہے انسانوں کو پیدا فرمادے۔چنانچہ مذکورہ بالا چار طریقوں سے اس نے انسانوں کو پیدا فرمادیا۔

جو اس کی قدرت و حکمت اور اس کی عظیم الشان خلاقیت کا نشانِ اعظم ہے۔سُبْحَانَ اللہ! خداوندِ قدوس کی شانِ خالقیت کی عظمت کا کیا کہنا؟

جس خلاقِ عالَم نے کرسی و عرش اور لوح و قلم اور زمین و آسمان کو "کُن" فرما کر موجود فرمادیا اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے حضور خلقتِ انسانی کی بھلا حقیقت و حیثیت ہی کیا ہے۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تخلیقِ انسان اس قادرِ مطلق کا وہ تخلیقی شاہکار ہے کہ کائناتِ عالَم میں اس کی کوئی مثال نہیں کیونکہ وجودِ انسان عالَمِ خلق کی تمام مخلوقات کے نمونوں کا ایک جامع مرقع ہے۔اللہ اکبر! کیا خوب ارشاد فرمایا مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہ

اَتَحْسَبُ اِنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ وَفِیْکَ انْ طَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

ترجمہ: اے انسان! کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے؟

حالانکہ تیری عظمت کا یہ حال ہے کہ تیرے اندر عالَمِ اکبر سمٹا ہوا ہے۔

کچھ اشکالات کا جواب۔

ممکن تھا کہ کوئی مرد یہ خیال کرتا کہ اگر ہم مردوں کی جماعت نہ ہوتی تو تنہا عورتوں سے کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔

اسی طرح ممکن تھا کہ عورتوں کو یہ گمان ہوتا کہ اگر ہم عورتیں نہ ہوتیں تو تنہا مردوں سے کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔اسی طرح ممکن تھا کہ عورت و مرد دونوں مل کر یہ ناز کرتے کہ اگر ہم مردوں اور عورتوں کا وجود نہ ہوتا تو کوئی انسان پیدا نہیں ہوسکتا تھا تو اللہ پاک نے چاروں طریقوں سے انسانوں کو پیدا فرما کر عورتوں

اور مردوں دونوں کا منہ بند کر دیا کہ دیکھ لو ہم ایسے قادر و قیوم ہیں کہ حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو تنہا مرد یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کی پسلی سے پیدا فرما دیا۔

لہٰذا اے عورتو!

تم یہ گمان مت رکھو کہ اگر عورتیں نہ ہوتیں تو کوئی انسان پیدا نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرما کر مردوں کو تنبیہ فرما دی کہ

اے مردو!

تم یہ ناز نہ کرو کہ اگر تم نہ ہوتے تو انسانوں کی پیدائش نہیں ہو سکتی تھی۔

دیکھ لو!

ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو تنہا عورت کے شکم سے بغیر مرد کے پیدا فرما دیا اور حضرت آدم علیہ السّلام کو بغیر مرد و عورت کے مٹی سے پیدا فرما کر عورتوں اور مردوں کا منہ بند فرما دیا کہ

اے عورتو اور مردو!

تم کبھی بھی اپنے دل میں خیال نہ لانا کہ اگر ہم دونوں نہ ہوتے تو انسانوں کی جماعت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

دیکھ لو!

حضرت آدم علیہ السّلام کے نہ باپ ہیں نہ ماں بلکہ ہم نے ان کو مٹی سے پیدا فرما دیا۔

سُبحان اللہ!

سچ فرمایا اللہ جَلَّ جَلالُہ نے کہ

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (پ۱۳، الرعد:۱۶)

ترجمہ:

اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا سب پر غالب ہے۔

وہ جس کو چاہے اور جیسے چاہے اور جب چاہے پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے افعال اور اس کی قدرت کسی اسباب و علل، اور کسی خاص طور طریقوں کی بندشوں کے محتاج نہیں ہیں۔

(عجائب القرآن مع غرائب القرآن، ص 243، ملخصاً)

تقدیرِ الٰہی سے متعلق اہم وضاحت:

مذکورہ حدیث پاک میں تقدیر کے متعلق بیان ہوا کہ "بندہ جنتیوں جیسے اعمال کرتا ہے لیکن اس کا خاتمہ جہنمیوں والے اعمال پر ہوتا ہے اور اسی طرح کوئی بندہ جہنمیوں جیسے اعمال کرتا ہے لیکن اس کا خاتمہ جنتیوں جیسے اعمال پر ہوتا ہے۔

سوال نمبر 3:۔

اس سے ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب اللہ پاک نے سب کی تقدیر پہلے ہی سے لکھ دی ہے کہ کون خوش بخت ہے اور کون بد بخت، کون جنتی ہے اور

کون جہنمی تو پھر یہ سزا و جزا کا معاملہ کیوں رکھا گیا؟

الجواب۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جو اللہ پاک نے لکھ دیا ہے وہی ہمیں کرنا پڑتا ہے۔

ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس دنیا میں آ کر جس نے جو کرنا تھا اللہ پاک نے اپنے عِلمِ اَزَلی سے جان لیا اور وہی لکھ دیا۔ چنانچہ صدرُ الشریعہ، بدرُ الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ہر بھلائی، بُرائی اُس یعنی اللہ پاک نے اپنے عِلمِ اَزَلی کے موافق مقدر فرما دی ہے:

جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا تو یہ نہیں کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے، ویسا اُس نے لکھ دیا۔

زید کے ذِمّہ بُرائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا وہ اُس کے لیے بھلائی لکھتا تو اُس کے علم یا اُس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا۔" (بہارِ شریعت، حصہ 1، 1 / 11)

خوف اور امید کے درمیان رہو:

حدیث شریف کے آخر میں "انسان کے اچھے اور برے خاتمے کا بیان ہے۔" لہٰذا مؤمن کو ہر وقت اپنے خاتمہ کے لیے ڈرتے رہنا چاہئے، نیز جو نیک اعمال کرے اسے فخر نہیں کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری زندگی نیک اعمال کرے اور آخری ایام میں نیکیوں کو چھوڑ کر گناہوں بھرے کام کر کے جہنم میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "(کوئی) ایمان لا کر متقی بن کے مرتا ہے لہٰذا کوئی بدکار ربّ کریم سے مایوس نہ ہو اور کوئی نیک کار اپنے تقویٰ پر فخر نہ کرے۔ اللہ پاک اچھا خاتمہ نصیب فرمائے (آمین)۔ (مراۃ المناجیح، 1 / 93 ملخصا)

کلمات دعا:

اللہ پاک کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں حدیث پاک اور اس کی شرح میں موجود مشمولات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ طٰہٰ و یٰس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

از قلم! ابو یاسر مفتی محمد ناصر شاہ جمالی



اداریہ

میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ایسے کرداروں میں گزارا جن کے تخلیق کار خود کسی کی تخلیق تھے ۔کتب بینی کا شوق مجھے میری یادداشت کے مطابق پرائمری میں ہی پڑ گیا مجھے اب بھی یاد پڑتا ہے کہ ہمارے پرائمری ٹیچر تھے "سر ارشد علی" دن میں جب وقفہ ہوتا یا پھر چھٹی کو کچھ وقت رہتا ہوتا تو وہ ہمیں اسکول کی مختصر سی الماری میں سے چھوٹی چھوٹی کتب نکال کر کہانیاں سناتے ۔اس بعد اگر مزید یادداشت کو کھنگالتے ہیں تو وہاں پر کافی عرصہ کسی بھی قسم کی پڑھائی نہیں ہوئی لیکن مجھ سے بڑا بھائی وہاں پر اس وقت تیسری جماعت کا طالب علم تھا۔ میں ان کی کتاب لیکر باہر کسی درخت کے نیچے بیٹھ کر صفحات پلٹ پلٹ کر تصاویر دیکھتا اور ان کو اپنے ذہن کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتا کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے ۔اسی لت کی وجہ سے مجھے اپنی جماعت سے آگے کی کتب پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا اور میں میٹرک تک اسی طرح اپنی جماعت سے آگے کی کتب پڑھتا۔خاص کر اردو کی ۔

مطالعہ انسان کو بیک وقت کئی وقتوں ،زمانوں اور انسانوں کا تعارف کرواتا ہے ۔آپ کا مطالعہ جس قدر وسیع ہوگا آپ کی ذہنی صلاحیتیں اور آپ کا مختلف حالات میں رویہ اور ردعمل بھی مختلف ہوگا۔ آپ کی گفتگو میں اعتماد پیدا ہوتا ہے کیونکہ آپ مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کا ذہن الفاظ و اصطلاحات کو آپ کی یادداشت میں محفوظ کرتا جاتا ہے ۔جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے ان کا ذہن محدود ہو کر رہ جاتا ہے یا پھر اگر وہ مطالعہ کرتے بھی ہیں تو ایک مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے ۔ہمیں اس جدید دور میں ہر اچھی چیز کے متعلق مکمل آگاہی رکھنے کی ضرورت ہے ۔خاص کر نئی ٹیکنالوجی اور بین الاقوامی سطح پر وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کے متعلق تاکہ ہمیں آنے والے وقت کے متعلق اندازہ ہو سکے کہ ہم اس کے لیے خود کو یا اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کر سکیں ۔انہیں تعلیم اور جدید سکلز سے آراستہ کر سکیں ۔

آخر میں بقول علامہ اقبال:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ



ہمارا مشن نوفیپ

عمران لیاقت (الریاض۔سعودی عرب)

نوفیپ چیلنج کیا ہے؟

نوفیپ چیلنج فحش فلموں، مشت زنی اور ہم جنس پرستی میں پھنسے لوگوں کی مدد کرنے کے لیے ایک عالمی تحریک ہے۔اس میں نوے دن کا ایک سٹینڈرڈ چیلنج لیا جاتا ہے۔چیلنج میں حصہ لینے والے ممبرز کو نوے دن تک ان تینوں بری عادتوں سے دور رہنے کی مفت تربیت دی جاتی ہے۔گروپ ایڈمنز اور چیلنج پورا کر چکنے والے ممبرز، آپ کو قدم قدم پر رہنمائی مہیا کرتے ہیں۔آپ کے سوالات کو تحمل سے سنتے اور جواب دیتے ہیں۔اس طرح مستقل سپورٹ اور مدد ملنے سے،اس بری لت میں پھنسا ہوا انسان، آہستہ آہستہ باہر آنے لگتا ہے اور ایک نارمل زندگی کا آغاز کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔اب تک لاکھوں نوجوان اس پلیٹ فارم کی مدد سے اپنی زندگی بدل چکے ہیں۔ اگر آپ بھی اپنے آپ سے تنہا لڑتے لڑتے تھک چکے ہیں تو نوفیپ چیلنج شروع کیجیے۔

ایک موبائل ایپ MDF ہے۔وہ آپ کے لیے مددگار ثابت ہوگی۔انسٹال کر لیجیے۔

نوفیپ کے فائدے

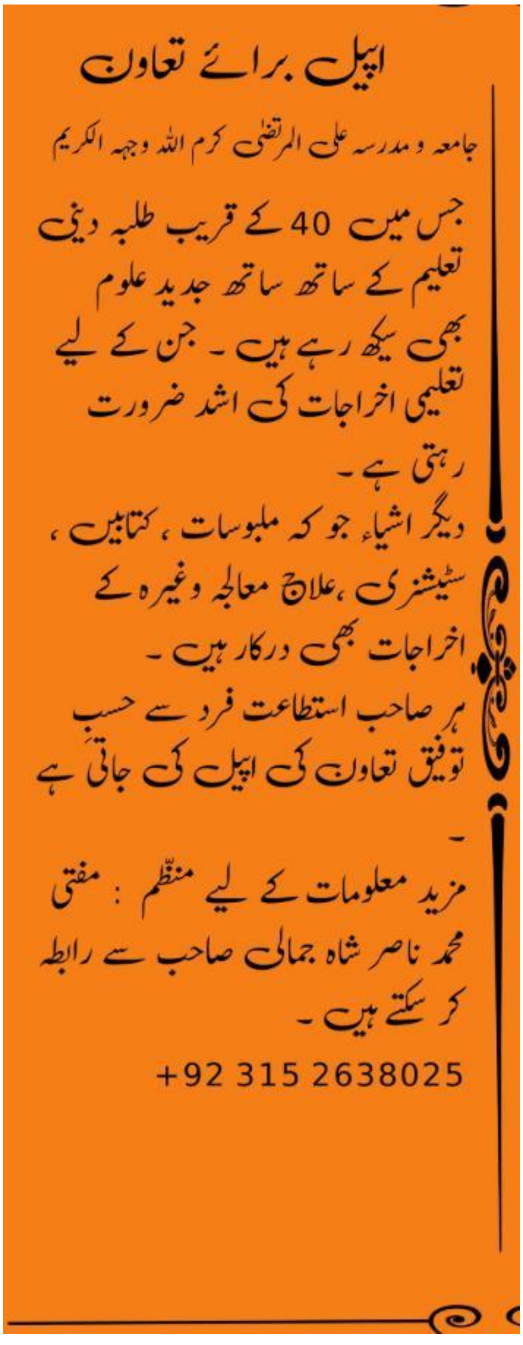
کامیاب ری بوٹرز کی زبانی

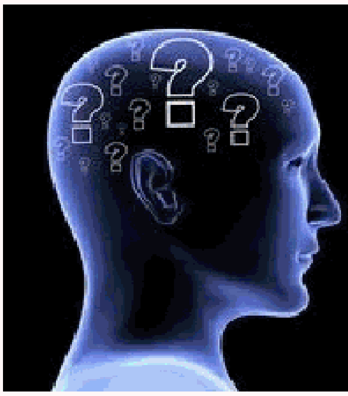
نوفیپ کے ہزاروں ممبرز جو ایک خاص وقت تک فحش فلموں اور مشت زنی سے دور رہے،ان کا دعویٰ ہے کہ تقریباً نوے دن تک ان دونوں برائیوں سے دور رہ کر نہ صرف اس لت پر قابو پایا جا سکتا ہے بلکہ زندگی میں انقلاب برپا کر دینے والے فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً

- ڈپریشن اور انزائٹی میں کمی
- خود اعتمادی میں بڑی حد تک اضافہ
- پچھتاوے، ندامت اور شرمندگی کا خاتمہ
- پڑھائی کے دوران توجہ کی صلاحیت میں حیران کن اضافہ
- ہر وقت موٹیویٹڈ اور پر مسرت رہنا
- جنسی کمزوریوں کا خاتمہ
- ذکاوت کا خاتمہ اور تحمل کا حاصل ہونا
- دل میں گناہ سے ایسی نفرت اور بے رغبتی کا پیدا ہونا کہ آپ تنہائی میں ہوں، ہائی سپیڈ انٹرنیٹ دستیاب ہو اور دل گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔

- غصے اور چڑچڑے پن کا خاتمہ
- سوشل لائف میں بہتری
- بہتر سیلف کنٹرول کا حاصل ہونا
- زندگی سے محبت اور کچھ کرنے کا عزم ملنا

اور اس کے علاوہ بیسیوں دیگر فوائد ہیں جو آپ کو نوے دن کا نوفیپ چیلنج پورا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آپ زندہ ہیں اور اللہ نے توبہ کا موقع دیا ہوا ہے تو دیر مت کیجیے۔ ایک بار بھرپور کوشش کر کے اس غلاظت سے باہر نکل آیئے۔ ایک خوشگوار اور صحت مند زندگی آپ کی منتظر ہے۔





نفسیات

قمر اصغر (چیچہ وطنی)

نفسیات

1۔لوگ تقلید کیوں کرتے ہیں؟

2۔بے وقوف لوگ اپنے آپ کو عقلمند کیوں سمجھتے ہیں؟

ایک نفسیاتی جائزہ!

ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلے وہ کہ جنہیں علم تو ہے لیکن اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ علم انپر کیا ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔یہ بھولے بھٹکے ہیں ان کو یاد دلانا چاہیے۔دوسرے وہ ہیں جن کے پاس علم نہیں ہے لیکن اس بات کا احساس ضرور ہے کہ یہ طالب علم ہیں۔ان کو تعلیم دینی چاہیے۔تیسرے وہ ہیں کہ جن کے پاس علم بھی ہے اور احساس بھی۔یہ وہ عالم لوگ ہیں ان سے تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔چوتھے وہ ہیں کہ جن کے پاس نہ تو علم ہے اور نہ اپنی کم علمی کا احساس۔یہ جاہل لوگ ہیں اور انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

آیئے اس بات کو "Dunning Kruger Effect" کے ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس کے مطابق جب کسی شخص کو کسی چیز کے بارے میں بہت کم یا نہ ہونے کے برابر علم ہوتا ہے تو وہ اس چیز کے کسی انتہائی ماہر آدمی سے بھی زیادہ پر اعتماد ہوتا ہے۔کسی نہ کسی مرحلے میں ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے کہ آپ کسی چیز کو جاننا یا سیکھنا شروع کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نے بہت جان لیا،اور اس طرح ایک نئی چیز کو جان کر اپنی معلومات کو کافی سمجھتے ہوئے ہم اس کے بارے میں پر اعتماد ہو جاتے ہے۔اس درجے میں انسان اس موضوع سے متعلق ابھی جہالت سے نکلا نہیں ہوتا۔اپنے آپ کو عالم ماکان و ما یکون سمجھتے ہوئے کچھ لوگ اپنے علم کا سفر یہیں ختم کر دیتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں کل علم حاصل کر لیا۔عوام کی اکثریت ایسی ہی ہوتی ہے اس لیے جاہل ہوتی ہے جیسا کہ آپ گراف میں دیکھ سکتے ہیں۔اسے آپ اسٹیج ون کہہ لیں۔لیکن اگر ایک انسان اپنے علم کا سفر جاری رکھے تو اس کو یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کا علم ناقص ہے۔اس پر نئی نئی جہات اور دریچے کھلتے ہیں اور وہ اپنے علم کو ناکافی سمجھتے ہوئے مزید علم حاصل کرتا رہتا ہے وہ جتنا زیادہ علم حاصل کرتا ہے کم علمی کا احساس اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔اس مرحلے میں انسان کے پاس کافی علم ہوتا ہے لیکن وہ زیادہ پر اعتماد اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے پاس علم ہے ہی نہیں۔وہ کم اعتمادی اور ناامیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔اسے ہم اسٹیج تو کہیں گے۔ بعض لوگ خود کو بے مایہ سمجھتے ہوئے اپنا سفر یہیں ختم کر دیتے ہیں۔یہ بھی گراف سے واضح ہے۔لیکن اگر انسان ہمت نہ ہارے اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا رہے تو اس کو امید کی کرن نظر آنے لگتی ہے۔وہ عاجز لیکن اپنے علم پر پورا اعتماد رکھتا ہے۔غرور تکبر اس کے اندر نہیں ہوتا اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنے علم میں ماہر اور حکیم و دانا ہو جاتا ہے۔اس کا اعتماد اس میدان میں قدم رکھنے والے کسی نئے کھلاڑی کی طرح بحال ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بات کھل کر بیان کر سکتا ہے۔

اسکے اندر انکساری ہوتی ہے وہ پہلے تو لنا اور پھر بولنا سیکھتا ہے پرسکون اور مطمئن رہتا ہے اور بلند حوصلگی کی ساتھ اپنا سفر ایسے میدان میں جاری رکھتا ہے

جسے اس گراف میں "Plateau of Sustainability" یعنی میدان پائیدار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے اسٹیج تھری کہہ لیں۔ یہی ''Dunning Kruger Effect'' ہے۔

مثال لیجئے کہ تین لوگوں کو ایک ٹی۔وی شو میں کسی موضوع پر رائے دینے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک اسٹیج ون، دوسرا ٹو اور تیسرا اسٹیج تھری پر فائز ہے۔ اسٹیج ٹو والا ایک نوجوان طالب علم ہے اور اسٹیج تھری والے صاحب کا شاگرد ہے۔ اسٹیج ون والا شخص علمی و عقلی دلائل، استدلال کی بجائے جذبات کا سہارا لے گا شور کرے گا بلند بانگ دعوے کرے گا کہ جیسے اس کی بات ہی آخری حجت ہے اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔ جذبات کا سہارا لیتے ہوئے لوگوں کی کمزوریوں کو بھانپتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس کی آواز اس کے خیالات اور سوچ سے زیادہ اونچی ہوگی۔ اسٹیج ٹو والا شخص بات ہی کم کرے گا اور اپنے استاد کو موقع دے گا۔ اسٹیج تھری والا شخص انتہائی تسلی اور تحمل سے بات کرے گا، دلائل دے گا حوالے پیش کرے گا، اس کی بات کا ڈھانچہ دلیل کی مضبوط بنیاد پر کھڑا ہوگا وہ آپے سے باہر نہیں ہوگا اور جذباتی ہوئے بغیر خود پر قابو رکھتے ہوئے اپنی بات کو پرزور انداز میں بیان کر دے گا۔ لیکن عوام ان میں سے کس کی بات کو قبول کرے گی؟ یقیناً پہلے شخص کی بات کو! لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ ہے "DissonanceCognitive" ہوتا یوں ہے کہ آپ جس جماعت، فرقے یا گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ آپ کی شناخت اور آپ کے نفسیاتی وجود "Psychological-Self" کا حصہ بن جاتا ہے۔ جب کوئی آپ کے عقیدے یا نظریے پر سوال اٹھاتا ہے تو دماغ کو ویسا ہی خطرہ محسوس ہوتا ہے جیسا کہ آپ کے جسمانی وجود (Physical-Self) پر حملے کے وقت ہوتا ہے۔ اگر جنگل میں کوئی ریچھ آپ پر حملہ کر دے تو کیا آپ اس کو اپنے جسمانی وجود کا کچھ حصہ کاٹ کر لے جانے دیں گے؟ نہیں، آپ مقابلہ کریں گے اور ایک ڈیفینسو (Defensive) پوزیشن اختیار کریں گے۔ آپ کا دماغ آپ کے گردوں پر موجود ایڈرینل گلینڈ سے "adrenaline' نامی ہارمون کا اخراج شروع کر دے گا جس سے آپ کا بلڈ پریشر تیز، چہرے کا رنگ سرخ، دل کی دھڑکن تیز اور آنکھوں کی پتلیاں پھیل جائیں گی۔ جب بحث و مباحثے کے درمیان آپ کے سائکالوجیکل سیلف پر حملہ ہوتا ہے تب بھی دماغ یہی کرتا ہے۔ یہ چیز یہ پتہ ہونے کے باوجود کہ آپ غلط ہیں اپنے آپ کو صحیح ثابت کرنے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔ اسی لیے عقل مند سے عقل مند لوگ بھی اپنے غلط عقائد پر جمے رہتے ہیں۔

مثلاً ایک دفعہ ہندوستان میں زلزلہ آیا تو لوگوں میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی بلکہ اسکے بعد ایک مزید تباہ کن زلزلہ آئے گا۔ اس بات کی کوئی دلیل نہیں تھی لیکن لوگ اس افواہ پر یقین کر رہے تھے کہ یہ انکے پہلے سے موجود خوف کو جواز فراہم کر رہی تھی۔

ایسے ہی ہمارے سیاستدان بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں جو کبھی پورے نہیں ہوتے، لیکن ان کے پرستارٹس سے مس نہیں ہوتے۔ وہ بجائے اپنے لیڈر کی غلطی ماننے کے کوئی نہ کوئی بہانہ بناتے ہیں اور تاویلیں گھڑتے ہیں۔ ان کی تاویل کو غلط ثابت کیا جائے تو آپ کو جھوٹا کہہ دیں گی یہ کوئی نئی بات کر دیں گے۔ اس طرح ایک "Feedback Loop" بن جاتا ہے کہ جس میں لوگ پھنس جاتے ہیں۔ اور چکر کھائے چلے جاتے ہیں۔

جب آپ کے عقیدے کے خلاف کوئی بات آتی ہے تو دو نظریات کے ٹکرانے سے شدید ذہنی الجھن پیدا ہوتی ہے۔ دماغ فوراً اس ذہنی الجھن یا نا مطابقت (inconsistency) کو دور کرنے کے لئے یا تو اس ماحول سے دور بھاگ جاتا ہے یا گالی گلوچ، بے جا تنقید اور ہنگامے کی صورت میں مخالف پر حملہ کرتا ہے یا اپنے اور مخالف کے نظریے میں کچھ نہ کچھ مطابقت پیدا کرتا ہے۔ مثلاً آج میں نے ایک وٹس ایپ سٹیٹس لگایا ایک صاحب کو وہ پسند نہ آیا تو انھوں نے جواب میں کہا "فارغ" یہ ان کی کوئی دلیل یا جواب نہ تھا بلکہ خود کلامی تھی جو انہوں نے اپنے ذہنی سکون کے لیے کی تھی!



تحریر:محمد عامر آفریدی

بحث اول :۔فلسفہ کے مکاتب فکر کا ذکر اور تعداد

بحث ثانی:۔فلسفہ اور علم الکلام کی مختصر تاریخ

بحث اول:۔

فلسفہ کے مکاتب فکر کا ذکر اور تعداد:

عام طور پر عقلی اور استدلالی میدان میں موجودات خارجیہ کی ماہیات سے بحث کرنے والے لوگوں کی چار جماعتیں ہیں:

1:مشائین حکماء 2:اشراقین حکماء 3:متکلمین حضرات 4:صوفیا حضرات

1:مشائین حکماء

یہ فلاسفہ یونان کی ایک جماعت ہے جس کا بانی ارسطو ہے۔یہ جماعت غور وفکر اور استلال و براہین پر اعتماد کرتی ہے۔یعنی مسائل عقلیہ کو صرف دلائل سے ثابت کرتی ہے،اور یہی عقل اور استلال ان کا ذریعہ علم ہے اور کسی اسمانی کتاب کو ماننے والی نہیں ہے۔بہت سے مسلمان فلاسفہ نے مشائین کی پیروی کی ہے۔جن میں فارابی اور ابن سینا قابل ذکر ہے۔

2:اشراقین

یہ فلاسفہ یونان کی دوسری جماعت ہے اس کا بانی افلاطون ہے۔یہ جماعت مسائل عقلیہ حل کرنے میں استدلال اور براہین کے بجائے باطن کی صفائی اور اشراق نوری پر اعتماد کرتی ہے۔مسائل عقلیہ کو نور باطن اور کشف سے ثابت کرتی ہے۔یہی نور باطن اور کشف ان کا ذریعہ علم ہے اور کسی اسمانی کتاب کو ماننے والی نہیں ہے۔شیخ مقتول شہاب الدین سہروردی صاحب حکمۃ الاشراق نے اس جماعت کی پیروی کی ہے۔

3:متکلمین

یہ ان علماء اسلام کی جماعت ہے جو علم الکلام میں بلند پایہ اور مہارت تامہ رکھتے ہیں،یہ جماعت بھی مسائل عقلیہ حل کرنے میں دلائل اور براہین پر اعتماد کرتی ہے اور ان ہی مسائل کے اثبات میں عقل اور استدلال ان کا ذریعہ علم ہے۔البتہ یہ جماعت آسمانی کتاب ماننے والی ہے اور تمام اہل اسلام جیسے اشاعرہ،ماتریدیہ،معتزلہ،خوارج وغیرہ کو شامل ہیں۔مسلمان متکلمین حضرات میں سے امام رازی اور امام غزالی وغیرہ اس جماعت کے بڑے پیشوا تھے اور علم الکلام کے کتابوں میں مسلمانوں کے عقائد پہ بات کرتے ہیں۔

4:صوفیاء

یہ جماعت ریاضت اور مجاہدہ کرنے والے مسلمان ہیں۔یہ حضرات مسائل عقلیہ حل کرنے میں باطن کی صفائی اور دل کی نورانیت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور ان ہی مسائل کے اثبات میں ہی نور، باطن اور کشف ان کا ذریعہ علم ہے اور آسمانی دین اور کتاب کو ماننے والے ہیں۔محمد بن علی محی الدین ابن عربی بہت بڑا صوفی اور بہت بڑا فلسفی تھا۔

بحث ثانی:۔

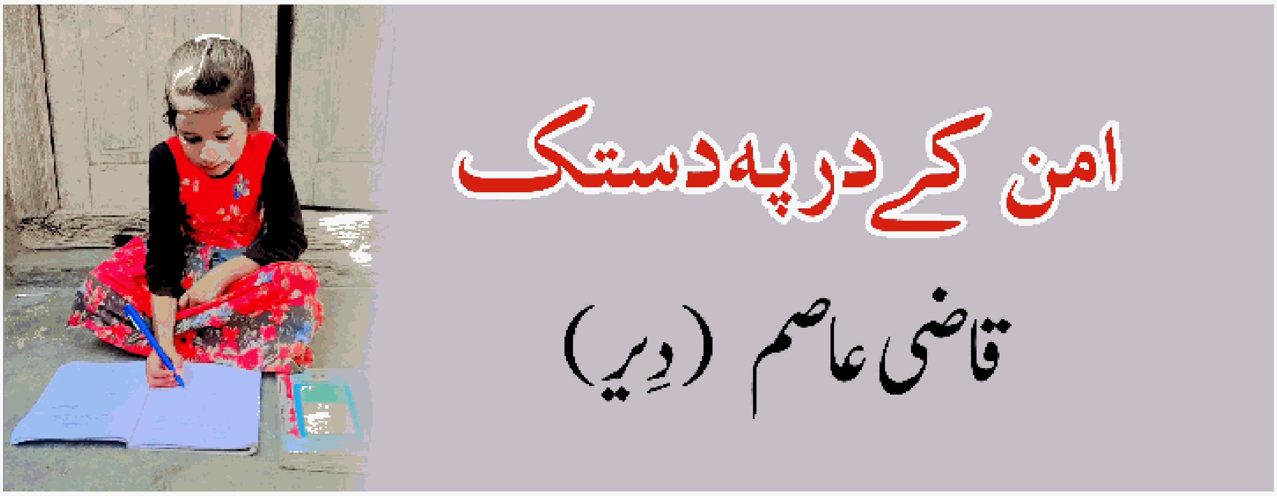
فلسفہ اور علم الکلام کی مختصر تاریخ:

مسلمانوں میں یونانی فلسفہ کی ابتداء خالد بن یزید اموی کے دور سن 80ھ میں ہوئی۔خالد بن یزید نے ایک دارالترجمہ قائم کیا تھا اور یونانی زبان دانوں کو جمع کرکے ترجمہ کی خدمت ان کے سپرد کی تھی لیکن اس وقت سلطنت بنوامیہ کا خاتمہ ہوا اور خلافت عباسیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔خلافت عباسیہ میں دوسرے خلیفہ منصور عباسی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ علم الہیئۃ اور دوسرے فلسفی علوم کو ترقی دینے میں صرف کیا،منصور عباسی بذات خود بڑا عالم تھا اور فلسفہ میں بہت بڑا مقام رکھتا تھا۔خلافت عباسیہ میں حکمت اور فلسفہ کا شاندار دور ساتویں خلیفہ مامون کا عہد خلافت ہے یہ خلیفہ علم وفن کا بہت بڑا قدردان تھا،اور ساتھ ہی صاحب فضل وکمال کا بہت بڑا حامی اور سرپرست بھی تھا۔اس نے بغداد کو فلسفہ کا مرکز بنا دیا تھا۔اس کے دربار میں بلاتفریق دنیا کے ہر گوشہ سے اہل فضل وکمال آتے تھے اور اپنے فضل وکمال کا صلہ پاتے تھے۔مامون نے شاہان روم سے تعلقات استوار کرکے ان کو ہدایا بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ہدایا کے بدلہ میں فلسفہ کی کتابیں بھیجیں۔چنانچہ انہوں نے افلاطون،ارسطو طالیس، بقراط، جالینوس،اقلیدس اور بطلیموس اور اس کے علاوہ دیگر فلاسفہ کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ بھیجا۔خلیفہ مامون نے شاہ روم میکال ثالث کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا اس معاہدے میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قسطنطنیہ کا بڑا کتب خانہ اس کے حوالہ کیا جائے اس محنت کے بعد خلیفہ مامون کو فلسفہ اور حکمت کا بڑا ذخیرہ ملا۔خلیفہ مامون نے اس زمانہ کے مشہور مترجمین جمع کرکے ان کو کتب فلسفہ کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی۔ان مترجمین میں چند عیسائی بھی تھے۔جن میں ایک حنین بن اسحاق تھا جو ترجمہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور دوسرا ثابت بن قرہ تھا جس کو ترجمہ میں کافی مہارت حاصل تھی جب یہ تراجم تیار ہو گئے تو مامون نے لوگوں کو فلسفہ پڑھنے کی ترغیب دی اور مکمل آزادانہ بحث ومباحثہ کی اجازت بھی دی۔چونکہ یہ شاہی فرمان تھا اس کا اپنا ایک اثر تھا کیونکہ یہ بادشاہ کا قول تھا۔تو اس کی وجہ سے ہر ایک نے فلسفہ پڑھنا شروع کیا اور جو لوگ کوتاہ ذہن تھے یا عقل کے تابع تھے تو وہ گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے۔چنانچہ معتزلہ سب سے زیادہ اس فتنہ کے شکار ہو گئے۔

معتزلہ نے اپنی عقل اور دلائل کی بنیاد پر ایک مذہب بنالیا جس کی بنیاد واصل بن عطاء نے رکھی تھی اور آج کل مختلف کتابوں میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے۔جب مسلمان علماء نے یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے زور وشور سے فلسفہ کے مسائل کی تردید اور ابطال شروع کیا اور جو مذہب اور عقیدہ اسلامی عقائد کے خلاف ہوتا اس کا ابطال کرتے اور لوگوں میں صحیح اسلامی عقائد کی تبلیغ کرتے۔اس کوشش اور تبلیغ میں امام ابوالحسن اشعری،امام الحرمین عبد الملک بن عبداللہ اور امام رازی پیش پیش تھے اسی طبقے کو متکلمین کہتے ہیں اور انہوں نے فلسفہ کے مقابلے میں جو علم مدون کیا اس کو علم الکلام کہتے ہے اور علم الکلام کے بنیادی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

شرح عقائد نسفی ،شرح المقاصد،(علامہ سعد الدین تفتازانی صاحب) شرح مواقف،(علامہ سید سند شریف جرجانی صاحب)

اساس التقدیس،(امام رازی صاحب) الاقتصاد فی الاعتقاد،(امام غزالی صاحب)



امن کے در پہ دستک

امن اچھی زندگی گزارنے کی بنیاد ہے۔امن کے بغیر زندگی مفلوج ہوتی ہے۔جہاں امن ہوتا ہے وہاں کے لوگ تعمیری سوچ رکھتے ہیں۔وہاں کے لوگوں کی تخلیقی صلاحیتیں بڑھتی رہتی ہے اور وہ لوگ اجتماعی انداز میں معاشرے میں موجود مسائل کا چناؤ اچھی طرح کرتے ہیں۔اور پھر ان مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔جہاں امن ہوتا ہے وہاں کھیل کود اور خوبصورت زندگی گزارنے کی ضرویات بحال ہوتی ہے۔جن سے خوشیاں جنم لیتیں ہیں۔اور پھر اسی سے ہی محبت کی فضا چھا جاتی ہے۔جنگ جو کہ دہشت پیدا کرتی ہیں۔جس سے زندگی قید و بند ہو جاتی ہے۔دہشت زہنوں پر قابض ہو جاتا ہے۔جن سے تخلیقی صلاحیتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔لوگوں کی تعمیری سوچیں محدود ہو جاتی ہیں۔پرندے اور جانور اس علاقے سے نفرت کرکے ہجرت کرتے ہیں۔جنگ صرف ایک جگہ پر نہیں ہوتا بلکہ اسکے یہ سارے اثرات قریب و جوار پر بھی پڑھتے ہیں۔قریب ماضی میں پختونخواہ وطن خصوصا قبائلی علاقہ جات شدید دہشتگردی کا شکار رہا جس کا ازالہ قبائلی جوانوں نے اپنے خون سے کیا۔ان نوجوانوں میں ایک بدقسمت نام ریحان زیب خان بھی تھا جو باجوڑ کے لیے امن کا خواب انکھوں میں سجائے شہید کردیا گیا۔

ریحان زیب انسانیت سے محبت کرنے والا،عدم تشدد اور احترام انسانیت کا پرچار کرنے والا شفیق او محبت کرنے والا انسان تھا جس جو ہم سے جدا کیا گیا۔ریحان زیب ملک و قوم کی ترقی و خوشالی کے خواب دیکھنے والا نوجوان تھا جس کا بڑی بے دردی سے قتل ہوا۔ریحان زیب کا قتل عدم تشدد کے فلسفے کا قتل ہے۔ریحان زیب شہید کی ابتدا فکری اور شعوری بیداری ماضی موجودہ قبائل کو درپیش مسائل قبائل کی تعلیمی فلاح و بہود ترقی نامحرویوں پر نوجوان نسل میں شعوری بیداری لانا کرپشن پاک معاشرے کی تشکیل اور بدنام زمانہ ایف۔سی۔آر انسانی سوزا یکٹ کے خلاف ایک توانا اواز تھا۔

31 جنوری 2024ء کو ریحان زیب شہید سیاسی ریلی کی قیادت کررہے تھے کہ باجوڑ پاٹک میں نامعلوم افراد نے سینکڑوں لوگوں کے بیچ شہید کردیا۔ریاستی اداروں کی یقین دہانیوں کے باوجود قاتل ابھی تک قانون کی گرفت سے باہر ہے۔

سانحہ باجوڑ انتہائی افسوسناک اور شرمناک ہے۔معصوم پھول جو جوانی کی دہلیز پر تھے۔بڑے خواب ذہنوں میں سجائے آگے بڑھنے کی جستجو تھی لیکن سفاک ظالموں کے ظلم کی بھینٹ چڑھ گئے۔ہمیشہ یہی سوال روح کو بیزار رکھتا ہے کہ کب یہاں امن کی فاختائیں راستہ لیں گی کب پشتون مٹی پر امن کا دور ہوگا۔۔

قاضی عاصم (دیر)

کالمز



زندگی مسلسل تبدیلی کا نام ہے (ازقلم: مائرہ سعید)

زندگی کے اس سفر میں ہر پل ہمیں مختلف تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کبھی یہ تبدیلیاں لوگوں کے بدلتے ہوئے رویوں کی صورت میں سامنے آتیں ہیں۔تو کبھی مشکل وقت اور حالات کی صورت میں ہونے والی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔کچھ لوگ تبدیلی کو قبول نہیں کر پاتے۔وہ اپنے کمفرٹ زون سے باہر نہیں نکل پاتے۔زندگی میں آگے بڑھنے کی،کچھ نیا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔مشکلات کا سامنا کرنے کی بجائے ان سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں۔مشکل وقت اور حالات میں گلے ،شکوے اور شکایتیں شروع کر دیتے ہیں۔اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔نتیجتاً جہاں جس مقام پر ہوتے ہیں سارے زندگی اسی ڈگر میں گزار دیتے ہیں۔

تبدیلی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔"تبدیلی آغاز ہے،ابتداء ہے،ایک نئے سفر کی جانب ،نئی راہوں کی جانب"۔تبدیلی کو قبول کرنا زندگی کو سہل بنا دیتا ہے۔زندگی کے اس سفر میں قدم بہ قدم پیش آنے والے وقت اور حالات کو قبول کرنا سیکھئے۔کبھی بھی آگے بڑھنے سے،مشکلات کا سامنا کرنے سے، کچھ نیا سیکھنے سے،گھبرائیے مت۔زندگی ہر پل آپ کو اپنے وقت اور حالات کو بدلنے کا موقع دیتی ہے۔اس موقع سے فائدہ اٹھائیے۔ آگے بڑھیں،مشکلات کا سامنا کریں۔ان سے گھبرائیں نہیں یہ آپ کو کمفرٹ زون سے باہر نکالتی ہیں۔آپ کو زندگی کی نئی راہوں سے متعارف کرواتی ہیں،آپ کی ذات میں چھپی صلاحیتوں کو سامنے لاتی ہیں،آپ کو باہمت بناتی ہیں،جو گزر گیا سو گزر گیا اس کا کیا غم منانا،ماضی میں کیا جینا،زندگی کو شکوؤں کی نظر مت کیجئے۔اس سے کچھ حاصل نہیں۔اپنی ناکامیوں کو قبول کرنا سیکھئے۔ماضی جو تھا،جیسا تھا گزر گیا۔وقت آج بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔زندگی آج پھر آپ کو موقع دے رہی ہے۔کچھ کرنے کا خود کو بدلنے کا آگے بڑھنے کا۔اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔

ماضی کی جانب پلٹ کر دیکھنے سے سوائے مایوسی اور ناامیدی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔حال میں رہنا،حال میں جینا سیکھئے۔محنت کریں خود پر کوئی نیا ہنر سیکھیں۔اپنے وقت کو مثبت کاموں میں لگائیں۔ہر آنے والے کل کو گزرے ہوئے کل سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ماضی گزر چکا ہے مگر! مستقبل آج بھی آپ کے ہاتھ میں ہے۔آپ اسے بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

"زندگی ہر پل آپ کو بدلنے کا موقع دیتی ہے۔آپ چاہیں تو اسے مایوسی کے اندھیروں کی نظر کر دیں اور چاہیں تو کامیابیوں سے ہم کنار کر دیں۔انتخاب آپ کا اپنا ہے۔"



یاد ماضی

میں اکثر حیرانی کے عالم میں یہ سوچتا ہوں کہ دنیا کتنی تیزی سے بدلتی چلی جا رہی ہے اور اتنی ہی تیزی کے ساتھ ہم لوگ بھی اس کے بدلتے رنگوں میں رنگتے چلے جا رہے ہیں۔ کیسا حسین اور پر رونق منظر ہوتا تھا جب محلے کے چند بزرگ شام کے وقت کسی دکان یا مقامی ہوٹل کی "چھپریوں" کے نیچے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف ہوتے اور رہ آتے جاتے شخص کو دعا سلام کے ساتھ اپنی محفل میں شراکت دار بنا کر اپنی خوش گپیوں کو طوالت دینے کا کوئی نیا بہانہ ڈھونڈ لیتے۔

آج کل کے چھوٹے بچے (موبائل فون جنریشن) اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کیسا حسین وقت ہوتا تھا جب موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے پرانے ٹائروں کے ٹھیلے چلانا، سارا سارا دن کرکٹ کھیلنا، اخروٹ کھیلنا، ڈرائنگ بنانا، مٹی کے گلے میں پیسے اکٹھے کرنا ہم بچوں کے پسندیدہ ترین مشاغل ہوا کرتے تھے۔ کیسے بھول سکتا ہے وہ وقت جب امی گرمیوں میں زبردستی ڈرا دھمکا کر دوپہر کے وقت سونے کا حکم صادر فرما دیتیں اور ہم بجائے سونے کے بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ بجلی کے چلے جانے کی دعائیں کرنا شروع کر دیتے تا کہ پنکھے بند ہونے کے باعث باہر نکلنے کا کوئی بہانہ مل جائے اور پھر کبھی کبھار یہ دعا قبول ہو جاتی تو ہم اچھل کر پلک جھپکتے ہی کمروں سے باہر بھاگ پڑتے تھے۔ کل ہی کی تو بات لگتی ہے جب صبح ہوتے ہی بڑی بے صبری کے ساتھ اخبار والے کا انتظار شروع ہو جاتا اور اخبار کے چند صفحات کو آپس میں بانٹ کر باری باری پڑھا جاتا اور اخبار کا "مین صفحہ" پہلے پڑھنے والے شخص کو بڑی رشک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے جہان کی خوشیاں ایک پل میں عطا ہو گئی ہیں جب کبھی والد صاحب کسی سفر کے لئے جانے لگتے تو اپنا مقدمہ "امی" کی عدالت میں پیش کرنے کے بعد ہمیں بھی والد صاحب کی معیت میں سفر پہ نکلنے کا موقع مل جاتا۔

وہ ایک جملہ کتنا ہشاش بشاش کر دیتا تھا جب کبھی طبیعت خراب دیکھ کر امی یا ابو صبح صبح یہ کہہ دیا کرتے،،

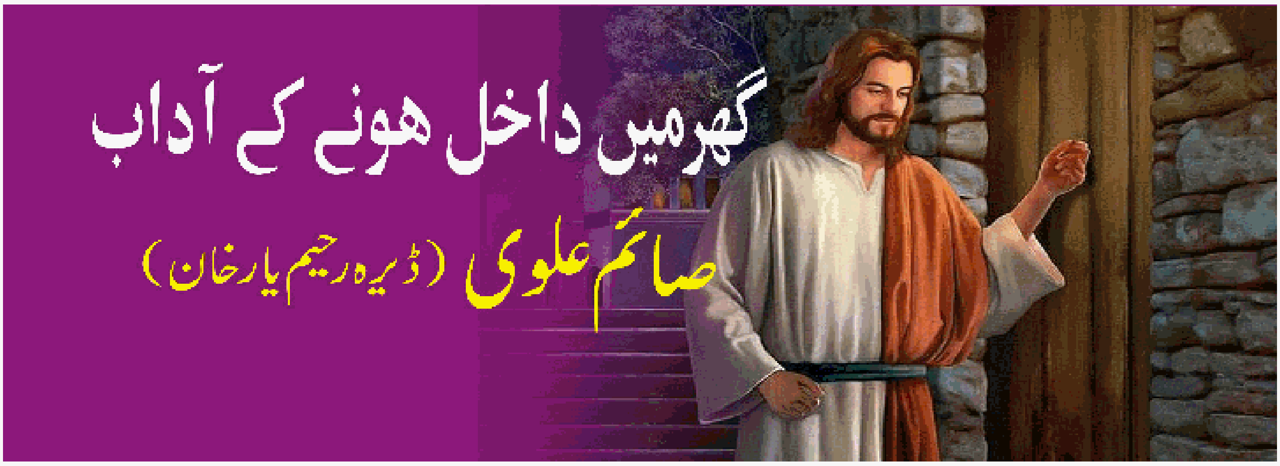
"آج سکول سے چھٹی کر لو..."

کیا کہوں، وقت کتنی تیزی سے گزرتا چلا گیا اور ہمیں اپنے سانچے میں ڈھالتا چلا گیا...

"مسکراہٹ، تبسم، ہنسی قہقہے..

سب کے سب کھو گئے، ہم بڑے ہو گئے"...

ازقلم: میاں سجاد الرحمٰن (گنجیال)



گھروں میں داخل ہونے اور اجازت لینے کے آداب

ساری حمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہے جس نے مومنوں پر احسان کیا اور نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر قرآن مجید نازل فرما کر جس میں ہر چیز کا بیان ہے دین کی تکمیل فرما دی ہے۔

سورہ نور میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زنا اور تہمت کی سزائیں بیان فرمائی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے صرف سزائیں ہی نہیں متعین کی ہیں بلکہ اپنے بندوں کی تربیت کا بھی مکمل سامان فرما دیا ہے تاکہ ان پر عمل کر کے ایک بہترین معاشرہ تشکیل پائے اور سزاؤں تک کی نوبت ہی نہ آئے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی سرکشی کرے تو پھر سزا کا نفاذ بھی نہایت ضروری ہے تاکہ یہ جراثیم معاشرے کو خراب نہ کریں۔اس ضمن میں سب سے پہلی نصیحت جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ یوں ہی بے دھڑک کسی کے گھر میں داخل مت ہو جایا کرو بلکہ اجازت لیا کرو۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدخُلُوا بُيُوتًا غَيرَ بُيُوتِكُم حَتّٰى تَستَانِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰى اَهلِهَا ذٰلِكُم خَيرٌ لَّكُم لَعَلَّكُم تَذَكَّرُونَ

ترجمہ:

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتیٰ کہ ان کی رضا معلوم کر لو اور گھر والوں کو سلام کر لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو''۔

القرآن-سورۃ نمبر 24 النور آیت نمبر 27

زمانہ جاہلیت میں یہی رواج تھا کہ لوگ اچانک دوسرے گھروں میں داخل ہو جاتے تھے کبھی خواتین کسی ایسی حالت میں ہوتیں کہ کپڑے ان کے جسم کو پوری طرح ڈھانپا ہوا نہیں ہوتا تو کچھ اعضاء پر بھی نظر پڑ جاتی تھی جو یقیناً فتنے کا باعث ہے اس ضمن میں یہ حکم دیا کہ اجازت لے کر داخل ہوا کرو تاکہ گھر والے سنبھل جائیں اسی طرح حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مبارک عمل سے جو کہ ہمارے لیے اسوہ حسنہ ہے سے ثابت ہے کہ آپ جب کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو تین بار سلام فرماتے اور اس میں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اگر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر اجازت نہ ملے تو واپس آ جایا کرو سورۃ نور کی اگلی آیت میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ اگر اجازت نہ ملے تو بغیر دل میں کوئی رنجش رکھے واپس آ جایا کرو ممکن ہے گھر والے اس وقت کسی ایسے کام میں مشغول ہوں کہ وہ اجازت نہ دے سکتے ہوں بلکہ اس سے ناراض بھی نہیں ہونا چاہیے پھر بعد میں چلے جانا چاہیے۔یہ حکم مندرجہ ذیل ایت مبارکہ میں موجود ہے:

فَاِن لَّم تَجِدُوا فِيهَا اَحَدًا فَلَا تَدخُلُوهَا حَتّٰى يُؤذَنَ لَكُم وَاِن قِيلَ لَكُمُ ارجِعُوا فَارجِعُوا هُوَ اَزكٰى لَكُم وَاللّٰهُ بِمَا تَعمَلُونَ عَلِيمٌ

ترجمہ:

''پھر اگر تم اس گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو اس میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو تم لوٹ جایا کرو یہ طریقہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے''۔

سورۃ نور آیت 28

اسی طرح حدیث شریف سے ایک اور حکم بھی ملتا ہے کہ جب کسی کے گھر جاؤ اور اجازت طلب کرو تو گھر والے جواب میں پوچھیں کون ہے تو یہ مت کہو کہ میں ہوں جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں رواج پڑ چکا ہے بلکہ اپنا نام بتانا چاہیے کہ میں فلاں ہوں تا کہ وہ اچھی طرح جان لیں اور اگر اجازت دینا چاہیں تو اجازت دے دیں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ میں یہی بات نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ناپسند فرمائی ہے کہ میں ہوں مت کہا کرو بلکہ اپنا نام بتایا کرو:۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ هَذَا فَقُلْتُ أَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَنَا

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ سے (حاضر ہونے کی) اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: میں ۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں، میں ۔''

(سنن ابن ماجہ ۔3709)

اس حدیث شریف سے ہمیں معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جائیں تو ان کے پوچھنے پر اپنا نام بتانا چاہیے نہ کہ یہ کہہ دینا چاہیے میں ہوں۔

اس کے علاوہ قران مجید نے گھر کے اندر بھی اجازت کے کچھ اداب سکھائے ہیں جو کہ اپنے بچوں کو سکھانے چاہیے اور اپنے خادموں کو بھی تا کہ اس پر عمل کیا جائے اور گھر میں پاکیزگی اور شرم وحیا کا ماحول قائم رہے۔اور یہی حکم بالغ لوگوں کے لیے بھی ہے۔

اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اجازت لیا کریں تمہارے غلام اور لونڈیاں اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے تین اوقات میں فجر کی نماز سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں ان اوقات کے بعد (وہ بلا اجازت آئیں تو) تم پر اور ان پر کوئی حرج نہیں تم ایک دوسرے کے پاس پھرتے پھراتے ہی رہتے ہو اسی طرح اللہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیات اور اللہ علیم ہے حکیم ہے اور جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ بھی اجازت لیں جیسے ان سے پہلے لوگ اجازت لیتے ہیں اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیات کی وضاحت کرتا ہے۔اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

القرآن –سورۃ نمبر 24 النور

آیت نمبر 58-59

اس آیت مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تین اوقات پردے کے ہیں نماز عشاء کے بعد اور نماز فجر سے پہلے یعنی کہ رات کے اوقات اور دن کو ظہر کے بعد جب قیلولہ کیا جاتا ہے وہ بھی آرام کا وقت ہے۔خاص طور پر شادی شدہ حضرات وخواتین کے کمرے میں ان اوقات میں داخل ہونے سے پہلے ضرور اجازت طلب کرنی چاہیے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں قران وسنت کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ایک بہترین مسلم معاشرہ تشکیل پا سکے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک

واخر دعوای ان الحمد للہ رب العالمین

والصلاہ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین

طالبِ دعا۔صائم علوی





خود کو خوش رکھیں!

اپنی خوشی کو دوسروں سے منسلک نا کریں

اپنی ذات کو خود خوش کیجیے

خود کو گھمایئے

خود کو کھلایئے

خود کو بتایئے

جب جب آپ دوسروں کو گھمائیں گے تب تب وہ آپ کے دماغ کو گھما کر رکھ دیں گے ۔لوگوں سے امیدیں کم وابستہ کریں جتنی امیدیں کم وابستہ کریں گے سکون میں رہیں گے ۔دوسرے آپ کی غلطیاں نوٹ کریں گے اچھائیاں بھول جائیں گے آج کی ٹیکنالوجی کے دور میں انسان کے پاس اپنے لیے وقت ہی نہیں ہے ۔اس لئے اپنے ساتھ وقت گزاریں خود سے باتیں کریں کیوں کہ آپ اہم ہیں ۔

تحریر: سحر خالد (بورے والہ)



لحاظ کی بھی حد ہوتی ہے

عموماً غلط کام کسی نہ کسی آڑ میں ہوتا ہے مثلاً ترقی کے نام پر دنیا پرستی، روشن خیالی کے نام پر مغرب پرستی۔ اسی طرح کی ایک چیز بے جا لحاظ اور مروت بھی ہے جو خوش اخلاقی کے نام سے کی جاتی ہے۔ کسی دوست، عزیز، رشتے دار، والدین اور استاد کے غلط کام کو اپنی بساط کے مطابق روکنے کے بجائے تائید کی جاتی ہے جس سے ہمارے معاشرے میں پہلے شر کی قباحت کم پھر ختم ہو جاتی ہے اور شر پھیلتا ہی چلا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے امر و نہی کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ خیر پھیلے اور شر رکے۔

قرآن کریم کے مطابق سب سے زیادہ لحاظ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ سب سے زیادہ رضا کا حق دار بھی وہی ہے تو جو اخلاق خدا کی لاج نہ رکھیں تو کیا وہ اخلاق کہلانے کے لائق ہیں؟ اس لیے ہمارا منشور یہ ہونا چاہیے کہ وہ رشتے بھاڑ میں جائیں جو خدا تک رسائی میں رکاوٹ ہوں، وہ دوستیاں چھوٹ جائیں جو خدا کو دوست بنانے سے روکیں، وہ تعلق ٹوٹ جائیں جو خدا کی لاج نہ رکھیں۔ ہمیں انسان سے ڈر کس بات کا!! کہ وہ سراپا محتاج خدا غنی، وہ مجبور تو خدا کارساز، وہ بے بس اور خدا تعالیٰ مختار کل۔

تحریر: ابوہریرہ آفاقی (راولپنڈی)



اکثر تکالیف و مسائل سے ہمارا سامنا ہوتا رہتا ہے، جب کوئی مصیبت آتی ہے تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ یہ غم یہ تکلیف ہم سے فوراً دور ہو جائے، ہم سکون کی حالت میں آ جائیں لیکن کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ "سکون ملتا نہیں حاصل کیا جاتا ہے" صبر سے، دعاؤں سے، توبہ سے۔ اور کچھ لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر پیروں اور ولیوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ کیا اللہ سے بڑھ کر کوئی پیر یا ولی ہو سکتا ہے؟ ہم ان حضرات کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ گردانتے ہیں جو اللہ تک ہماری بات پہنچا دیں۔ کیا ہم اللہ کے اتنے قریب نہیں کہ ہم خود اللہ سے مانگ سکیں؟ ایک اللہ ہی تو ہے جس سے تعلق یا بات کے لیے ہمیں کسی بھی وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ زندگی خوشی و غمی کا مرکب ہے۔ اس لیے اگر کبھی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے تو یاد رکھیں کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ کسی سے بھیک نہ مانگو سوائے اللہ کے۔ اللہ تو اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

"اللہ سنتا ہے اپنے بندے کی پکار اور وہی سنتا ہے" ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"ان اللہ سمیع العلیم"

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے نجات آدمی کو

تحریر: عائشہ لطیف (فیصل آباد)

ہم جنس پرستی

تحریر: ملک شاہ زیب



ملحد حارث سلطان نے اپنی کتاب میں لکھا ھے کہ مجھے زندگی ایک بار ملی ہے میں کیوں صرف مذہب کی وجہ سے اس ہم جنس پرستی کی لذت سے محروم رہوں؟؟؟

میرا جواب (ملک شاہ زیب)

اللہ نے سدوم وعمورہ اور پومپی کے لوگوں پر سخت عذاب لاکر تباہ و برباد کردیا، کیوں صرف ان کی آپس کی ہم جنس پرستی کی وجہ سے کیونکہ خدا جانتا تھا اگر میں نے اس مخلوق کو اس کام سے باز نا رکھا تو یہ مخلوق ختم ہو جائے گی، کیونکہ خدا نے انسان کو بنایا تھا اس لیے وہ اس کی بائیولوجیکل سٹرکچر سے بھی خوب واقف تھا،

بائبل میں لکھا ہے:

اس لیے خدا کو خود آسمانوں سے نیچے آنا پڑا، حضرت ابراہیم سے ملاقات کی وہ بھی پردے میں، ابراہیم نے بڑی کوششیں کی خدا کو منانے کی مگر خدا بضد تھا کہ میں سدوم وعمورہ پر عذاب لاکر انھیں ختم کردوں گا، بعد میں خدا نے ایسا ہی کیا، سدوم وعمورہ کی قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اس کے بعد خدا نے پومپی کے ساتھ بھی یہی کیا، طوفان نوح لانے کا بھی یہی مقصد تھا بلکہ بعض ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ خدا انسانوں کو پورے سیارے سے ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتا تھا۔

کیونکہ اس وقت دُنیا میں عجیب الخلقت مخلوقات پیدا ہو چکی تھیں جیسے unicorn, جل پری، راکشس، انسان نما جانور جیسی بہت سی مخلوقات وغیرہ، خود سائنس یہ کہتی ہے کہ زنا کاری اور ہم جنس پرستی نسل انسانی کے لئے مضر ہے۔

تحریر: ملک شاہ زیب

ہم اور لوگ

تحریر: حفصہ بتول



ہم اور لوگ

اپنی زندگی میں اپنی چیزوں پر ہم لوگوں کو تسلط جمانے کا حق نہیں دیتے ہیں۔ جو میری ہے وہ صرف میری ہے۔ہم اپنی زندہ یا بے جان چیزوں کے کھو جانے کے بعد انھیں حاصل کرنے کے لیے جی جان لڑا دیتے ہیں اور پھر انھیں حاصل کر لیتے ہیں۔دوبارہ سے جینا شروع کر دیتے ہیں۔گویا وہ بے جان چیزیں ہمارے لیے سانس کی مانند ہوں۔آپ خود کو آزاد محسوس کرتے ہیں جب آپ خود کی خواہشوں کو تکمیل دیتے ہیں۔

مگر ہم کہیں نا کہیں اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔جانتے ہیں وہ کیا ہے؟"لوگوں کا ہم پر حق جمانے کی کوشش کرنا"۔لوگ آہستہ آہستہ جانے انجانے میں ہم پر اپنا حق استعمال کرتے ہیں اور اُس کے لیے ہم کوئی ٹھوس قدم بھی نہیں اُٹھا پاتے ہیں۔

تم وہ نہیں کرو گے، یہ نہیں کرو گے۔ہم نے لوگ کیا کہیں گے کو زندگی کا حصہ بنا کر خود پر حاوی کر لیا ہے اور سر درد کو بڑھایا ہے۔اپنی اچھے برے کام کی ذمہ داری اس طرح اور اس حق سے لیں کہ لوگ کہہ ہی نا سکیں کہ "یہ کیا کر دیا ہے؟"ہمیں پتا ہی نہیں چلتا اور ہم لوگوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن جاتے ہیں۔لوگ کیا کہیں گے جیسے الفاظ سے بچنے کے لیے خود کو داو پر مت لگائیں۔اس زندگی کے مکافات،سزا،جزا اگر بھگتنے ہیں تو کم از کم اپنے فیصلوں کے بھگتیں نا کے دوسروں کے فیصلوں کے۔جس نڈر انداز میں سوچتے ہیں اُس نڈر انداز سے عمل بھی کرنا سیکھیں۔

خوش رہیں، آباد رہیں۔

تحریر: حفصہ بتول



معاشرتی برائیاں

اللہ تعالی نے انسانوں کو زمین پر آباد کیا تو ساتھ ہی زندگی گزارنے کے لئے انسانوں کو معاشرے میں تقسیم کرتے ہوئے معاشرے میں اپنے قوانین بھی لاگو کر دیے۔ جو معاشرہ ان قوانین پر عمل درآمد کرے گا وہ آسودہ زندگی بسر کرے گا لیکن جو معاشرہ ان قوانین سے انحراف کرے گا وہ معاشرہ بے چینی، انتشار کا شکار ہو کر سکون کھو دے گا اور تنزلی کی جانب چلا جائے گا۔ افسوس ناک طور پر ہمارے موجودہ معاشرے میں قدرت کے قوانین سے منہ موڑ کر لوگ پستیوں میں چلے گئے ہیں۔ ہمارا معاشرہ اس وقت بے شمار برائیوں کا شکار ہے۔

ہمارے موجودہ معاشرے میں سب سے بڑی برائی بد اخلاقی ہے، اس برائی کی وجہ سے اور برائیاں پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ انس اور شفقت کی بجائے سخت رویے کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ لوگ پیار اور محبت کے بول بولنے کی بجائے نفرت اور سختی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں لوگوں کے کلام میں گالم گلوچ ہوتا ہے اور سخت الفاظ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر بات ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے جس وجہ سے دیگر مسائل بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہمیں معاشرے میں امن و سکون کو قائم رکھنا ہے تو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت اور اخلاق حسنہ سے پیش آنا ہو گا ورنہ معاشرے میں تعصب پھیل جائے گا اور معاشرہ فتنہ کا شکار ہو جائے گا۔ جھوٹ ہمارے معاشرے میں سرائیت کر چکا ہے لوگ بڑی آسانی کے ساتھ جھوٹ بول کر دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ شاید ہم دنیا میں ایسی قوم ہیں جو جھوٹ بولنے میں سب سے ماہر ہیں۔ دوکاندار بڑی آسانی کے ساتھ جھوٹ بولتے ہوئے اپنا سودا بیچ دیتا ہے۔ معاشرے میں اس وقت ہر شعبہ میں جھوٹ کی دکانداری عروج پر ہے۔ لوگ سچ کو ترجیح نہیں دیتے بلکہ بڑی آسانی سے بڑے سے بڑا جھوٹ بول دیتے ہیں اور شرمندگی کا انہیں احساس تک نہیں ہوتا۔ اسلام میں جھوٹ کو برائیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے سو جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ اگر ہم پائیدار معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں تو ہمیں جھوٹ کو چھوڑتے ہوئے سچ بولنا چاہیے اور اپنے مفاد کو ترک کرتے ہوئے سچ کا بول بولنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں بے حیائی کا ناسور پھیل چکا ہے۔ ہر طرف بے حیائی کی یلغار ہے۔ اس طوفان بدتمیزی کا بنیادی ذریعہ کیبل انٹرنیٹ ہے آج سے تقریب میں سال پہلے بے حیائی بہت کم تھی لیکن موجودہ دور میں یہ اپنے عروج پر ہے۔ بازاروں، تفریح گاہوں، پارکوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں اس کا عملی مظاہرہ نظر آتا ہے اور ہمارہ معاشرہ ماڈرن ازم کے نام پر اس دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے یاد رکھیں کہ ماڈرن ہونا بے حیائی نہیں ہے یہ دونوں الگ چیزیں ہیں چونکہ ہمارے معاشرے میں تعلیم کا تناسب کم ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو شعور نہیں اور لوگوں نے ماڈرن کا لفظ بے حیائی کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ (ماڈرن ازم الگ چیز جبکہ بے حیائی الگ چیز ہے) اس بے حیائی کی وجہ ٹی وی اور انٹرنیٹ پر فحش قسم کے مواد کا ہونا ہے۔ نوجوان نسل نے پیار کے نام پر بدتمیزی پھیلا رکھی ہے۔ معاشرے کو آسانی سے انٹرنیٹ پر فحش مواد دستیاب ہے جس کو دیکھ کر لوگوں کے جنسی جذبات ابھرتے ہیں اور اس طرح معاشرے میں بے حیائی پھیلتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس بے حیائی کے نتیجے میں معاشرے کے درندہ صفت لوگ معصوم بچوں کے

ساتھ فعل بد کر کے ان کو بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل چاہتے ہیں تو ہمیں اس بے حیائی کے محرکات کو ختم کرنا ہوگا جس کی وجہ سے بے حیائی خود بخود دم توڑ دے گی۔ ہمارا معاشرہ رشوت کی لعنت کا شکار ہے۔ کبھی ہمارے ملک و معاشرے میں میرٹ پر کام ہوتا تھا او راہل لوگوں کو ان کا حق ملتا تھا لیکن موجودہ وقت میں میرٹ اپنی موت آپ مر چکا ہے اور سفارش، رشوت سے کام ہوتا ہے۔ آپ کسی بھی شعبہ ہائے زندگی میں چلے جائیں ہر کام رشوت سے ہوتا نظر آئے گا۔ ایک ایماندار اور تا با شخص جس کے پاس رشوت دینے کے لئے پیسے نہیں، اس کے برعکس وہ شخص جو نا اہل ہے اس کے پاس اگر پیسے ہیں تو وہ بڑی آسانی سے رشوت دے کر اس ایماندار اور تا باں شخص کا حق مارتے ہوئے اس کی جگہ پر بھرتی ہو جائے گا جس کی وجہ سے معاشرہ تعصب کا شکار ہوگا۔ جب اہل اور تا باں شخص کو اس کا حق نہیں ملے گا تو وہ دلبر داشتہ ہو کر خودکشی کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ اگر ہم معاشرے میں انصاف کو لاگو کرنا اور تعصب کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں رشوت جیسی ناانصافی کو ختم کرنا ہوگا۔ متعلقہ افسران اور ادارے جن کی ذمہ داری ہے وہ اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے ایک پائیدار معاشرے کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کریں۔

تحریر: حافظ حسنین مشتاق (جھنگ)





سوال کرنا سیکھیے!

احمد حسن زرگر (کنڈل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"پوچھنے سے شرمائیں نہیں"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ "جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے"

تو زندگی میں کچھ بھی سیکھنے کے لئے پوچھنا، سوال کرنا بہت ضروری عمل ہے۔ جب تک آپ جھجکتے رہیں گے شرماتے رہیں گے آپ کچھ بھی نہیں سیکھ پائیں گے۔ ریسرچ تو بچوں کے بارے میں بھی یہی کہتی ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ سوال پوچھنے دیں۔ اُن کے سوالوں سے گھبرائیں نہیں یہ چیز بچوں کی ذہنی تربیت اور نشوونما کا باعث بنتی ہے۔ شہری اور دیہاتی بچوں میں بسا اوقات یہ فرق واضح طور پہ دیکھنے میں آتا ہے کہ شہری بچوں میں خود اعتمادی کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے اور دیہاتی بچوں میں نسبتاً کم اس کے تناظر میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ دیہاتی بچوں میں والدین اور اساتذہ کرام کا ڈر ہی اتنا بٹھا دیا جاتا ہے کہ وہ اگر دو سے تین بار کوئی سوال پوچھ بیٹھیں گے تو دو بار تو جواب مل جائے گا پر تیسری بار سخت نگاہیں یا تھپڑ کھانے کو ضرور ملے گا جو کہ آئندہ کے لئے اس کے سوالات پہ پردے ڈالنے کو کافی ہوگا۔ جب کہ شہروں میں اس کے برعکس بچوں کو پوچھنے کی آزادی زیادہ دی جاتی ہے۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک بار میں کسی سفر میں تھا تو رستے میں میرا زادِ راہ ختم ہوتے ہوتے ایک درہم پہ جا ٹھہرا، ابھی میں ایک شہر میں پہنچا تو حالت یہ تھی کہ میں بھی بھوکا تھا۔ میرا گدھا جس پہ میں سوار تھا وہ بھی بھوکا اور میرے پاس ایک مرغ تھا وہ بھی بھوکا اور درہم میرے پاس ایک کہتے ہیں مجھے کوئی سمجھ نہ آئے کہ ابھی ایسا کیا لوں جس سے ہم تینوں کی بھوک مٹ جائے اسی کشمکش میں مجھے ایک بچہ نظر آیا تو میں نے اسے بلایا اور کہا بیٹا میرے پاس ایک درہم ہے میں ایسا کیا خریدوں کہ جس سے میرا پیٹ بھی بھر جائے میرے گدھے اور میرے مرغ کا بھی تو اس بچے نے کہا واہ بڑے میاں یہ تو اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ آپ ایک درہم کا تربوز خریدیں اسکا گودا خود کھائیں اسکے بیج مرغ کو ڈالیں اور اسکے چھلکے اپنے گدھے کو کھلا دیں۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں میں اس بچے کی ذہانت پہ حیران رہ گیا اور مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے پوچھنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی ورنہ ہم تینوں بھوکے رہ جاتے۔

تو زندگی میں کبھی نہ گھبرائیں کہ اگر پوچھوں گا تو لوگ کیا کہیں گے کہ اسے پتہ نہیں ہے۔ اس حالت سے باہر نکلیں اور اپنے اندر سوال پوچھنے اور سیکھنے کی حس پیدا کریں۔ اللہ ہمیں زیادہ پوچھنے اور زیادہ سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین!

طالب دعا: احمد حسین زرگر (کنڈل)

میرا قلم میری پہچان



رابعہ ذوالفقار (گوجرانوالہ)
zrabia572@gmail.com

عنوان: اپنی قابلیت پہچانیں

ازقلم: رابعہ ذوالفقار (گوجرانوالہ)

سنو پیاری۔۔۔۔۔!

مایوس نہ ہوا کرو اللہ نے تمھاری زندگی کا مقصد رکھا ہے۔اپنے آپ کو بے کار نہ جانا کرو،اپنے اندر چھپی صلاحیتوں کو پرکھا کرو، جہاں مایوس ہونے لگو ناں تو اللہ سے فوراً رجوع کیا کرو، اللہ کی تخلیق پر غور کرنا شروع کر دیا کرو،، شیطان انسان کا ابدی دشمن ہے۔وسوسہ،شکوک وشبہات کی وادی میں لے جا کر نا اُمیدی مایوسی کے جال میں پھانس دیتا ہے۔میں منتشر سوچیں، الجھے خیال لیے سوچ رہی تھی۔آج کا دن پھر گزر گیا، کچھ نا کر پائی، کیا ہے میری زندگی کا مقصد؟ بے معنی، بے تکی زندگی گزار رہی ہوں۔ان دم توڑتے خیالات سے پیچھا چھوڑانے کیلئے استاذہ جی کی تفسیر سننے لگی۔جب اس آیت پر پہنچی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَاؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًاۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًاۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًاؕ وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَۙ (۲۶)

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو، یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایمان والے تو اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے؟اس کے ذریعہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے۔تو سوچتی ہوں مچھر کا ذکر آیا۔حالانکہ لوگ کہتے اللہ نے اس مچھر جیسی حقیر چیز کی مثال کیوں دی قرآن میں؟ ابھی دماغ اسی کشمکش کا شکار تھا تو استاذہ جی نے بڑے فصیح و بلیغ انداز میں وضاحت کی گویا کہ وہ میری الجھن سمجھ گئیں ہوں۔کہنے لگیں:" مچھر کو اللہ تعالیٰ نے سو آنکھیں دی ہیں۔وہ بھی کمپاونڈ ہیں۔(یعنی چاروں طرف دیکھ سکتا) حتی کے اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا جہاں ہماری آنکھیں بھی کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی زبردست صلاحیت دی ہے کہ وہ اندھیرے میں سے انسان کے ٹمپریچر کو جانچ کر اس پر جا بیٹھتا کسی اور چیز پر نہیں۔پھر ذہن سوچنے پر مجبور ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا ہی کیوں کیا؟ کو استاذہ پھر متوجہ ہوئیں جیسے میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کو بھانپ چکی ہیں۔کہنے لگیں:" کیونکہ بہت سے حیوانات کی وہ غذا ہے۔پانی کے اندر پائی جانے والی مچھلیوں کے بچوں، پرندوں کے بچوں کی خوراک کا کام دیتا۔اور اسی طرح اس کے علاوہ بھی اس کے اندر بے شمار صلاحیتیں مضمر ہیں"۔یہ سنتے ہی میں اللہ سبحان وتعالی کی تخلق وقدرت،کارگری پر دھنگ رہ گئی۔اور اپنے آپ کو جو منفی پیغام دے رہی تھی۔یہ کہتے ہوئے مطمئین ہوگئی۔وہ رب ایک ننھی منی مخلوق مچھر میں اس قدر صلاحیت رکھ سکتا ہے۔تو میرے اندر کیوں نہیں؟ بالآخر اس نتیجے پر پہنچی آئیں ہم سب مایوسی چھوڑیں اور اپنی صلاحیتیں تلاش کریں۔



بہو بھی بیٹی ہی ہوتی ہے؟

جہاں ایک طرف ہمارے معاشرے میں بہت سی برائیاں پائی جاتی ہیں وہاں ایک برائی یہ بھی سرفہرست ہے کہ عورت کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک رکھا جاتا ہے خاص طور پر یہ سلوک اکثر شادی کے بعد کیا جاتا ہے وہ عورت جو شادی سے پہلے اپنی زندگی کے بیس پچیس سال بڑی ہنسی خوشی کے ساتھ گزارتی ہے وہی زندگی شادی کے بعد اس کے لیے عذاب بن جاتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ درحقیقت شادی کے بعد عورت کے لیے سب کچھ ایک نیا ہوتا ہے جس ماحول سے نکل کر آئی تھی ضروری نہیں کہ اسے آگے بھی ویسا ماحول میسر آئے جہاں ایک طرف اس نے اپنے آپ کو اس نئے گھر کے افراد کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہوتی ہے وہاں سے اپنے ماں، باپ، بہن، بھائیوں سے بچھڑنے کا دکھ بھی ہوتا ہے۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہر کوئی ہماری سوچ کے مطابق زندگی گزارے اس کے برعکس ہم دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے کہ خواہ وہ بھی ہمارے رویوں سے خوش ہیں کہ نہیں؟ اب دوسری طرف معاشرتی ماحول کے اثر کی وجہ سے مرد حضرات اس بات پر بھی تربیت یافتہ ہوتے ہیں کہ اگر انھوں نے عورت کی فرمانبرداری کی تو یہ سراسر رن مریدی ہوگی اس لیے وہ نہیں چاہتے کہ وہ لوگوں کو اس بات کا موقع دیں لہذا وہ اپنی انا کی تسکین کی خاطر اپنی طاقت کے بل بوتے پر عورت کے حقوق کو کچلتا رہتا ہے اور دوسری طرف سسرال کے دوسرے افراد بھی پیش پیش ہوتے ہیں کہ آیا وہ تو بہو ہے بری ہو یا اچھی ان کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کیوں کہ اگر بہو نے ذرا بھی اپنے حق کے لیے ان کے خلاف آواز اٹھائی تو وہ بے چاری اس گھر سے چلتی بنے گی وہ عورت پھر اپنے ماں باپ کی عزت کی خاطر ساری زندگی تکلیفیں برداشت کر کے گزارتی رہتی ہے۔ ہر شخص کو جینے کا حق ہوتا ہے خواہ وہ عورت بیٹی ہو یا بہو اس کو بھی اپنی تمام تر سہولیات میسر ہونی چاہیے ہمیں اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا تا کہ ہم اپنے حقوق کے حصول کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی ان کے حقوق ادا کر سکیں۔ دوسری طرف عورت کو بھی چاہیے کہ وہ ساس سسر کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھے تا کہ ان کے درمیان محبت کا رشتہ قائم رہے۔ اپنی سوچ بدلیں تا کہ ہم خود بدل سکیں۔

محمد عابد کھوکھر (ڈیرہ اسماعیل خان)





"یہ پاک روشن وطن ہمارا"

ابھی کچھ دن پہلے قائداعظم کے مزار پہ جانے کا اتفاق ہوا۔تقریبا گیارہ بارہ سال بعد جانا ہوا تھا... لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے صدیوں بعد دیکھا ہو.... سارا نقشہ بدلا ہوا تھا... درو دیوار بھی اجنبی دکھائی دیئے۔بڑے بڑے دالان نما صحن بہت افسردہ و مضمحل لگے۔مزار کے اندر داخل ہوئے تو عجیب سی ویرانی تھی۔وہ پہلے کی طرح چہل پہل مفقود تھی۔یوں لگا جیسے میرے قائد بہت افسردہ ہوں۔اس قوم کے دیئے زخم سہلا رہے ہوں۔میرے تخیل کی پرواز مجھے ایک صدی پیچھے لے گئی۔جب مسلمان اپنی پہچان حاصل کرنے کی تگ و دو میں لگے تھے۔

جوش اور جذبہ-----

سچائی واخلاص------

ایمانداری ایسی تلواریں انکا ہتھیار تھیں۔میرے قائد نے ان تلواروں کا کیا بہترین استعمال کیا۔میرے اقبال نے قوم کے نوجوانوں کو ایک نیا عزم دیا... ہمت دی.... ولولہ دیا..... اپنے حسین افکار سے ان میں نئی روح پھونکی۔ مجھے لاکھوں مسلمانوں کی جوش وولولے سے بھرپور آوازیں سنائی دیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ آوازیں دردبھری سسکیوں اور آہوں میں بدل گئی۔ان آہوں اور سسکیوں میں ایک بھرپور گونج دار آواز شامل ہوگئی۔آوازوں کا شور بڑھتا گیا اور سب آوازیں قائد کی آواز میں مدغم ہوئیں۔وہ آواز کچھ یوں تھی۔

"آپ اچانک ایک نئی دنیا تخلیق نہیں کرسکتے۔حصول آزادی کے لئے آپ کو ایک کٹھن عمل سے گزرنا ہوگا۔آپ کو آگ کے دریا، ابتلا اور قربانیوں کی راہ سے گزرنا ہوگا۔مایوس نہ ہوں۔قومیں ایک دن میں نہیں بنا کرتیں۔لیکن جیسا کہ ہم رواں دواں ہیں ہمیں ایسے قدم اٹھانے چاہئیں جو ہمیں آگے کی طرف لے جائیں۔" "آپ حقائق کا مطالعہ کریں انکا تجزیہ کریں اور پھر اپنے فیصلوں کی تعمیر کریں"

کلکتہ یونیورسٹی ۲۱۔اگست ۱۹۳۴ء

"یہ تلوار جو آپ نے مجھے عنایت کی ہے یہ صرف حفاظت کے لئے اٹھے گی۔فی الحال آپ کے لئے جو سب سے ضروری امر ہے وہ تعلیم ہے۔علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور رہتا ہے۔جائیے اور علم حاصل کیجئے"

اجلاس بلوچستان مسلم لیگ کوئٹہ ۳۔جولائی ۱۹۳۴ء

"اس میں شک نہیں کہ ہم نے پاکستان حاصل کرلیا ہے۔لیکن یہ تو محض آغاز ہے۔اب بڑی ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر آپڑی ہیں اور جتنی بڑی ذمہ داریاں ہیں اتنی ہی عظیم جدوجہد کا جذبہ ہم میں پیدا ہونا چاہیئے۔پاکستان حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دی گئی ہیں جو کوششیں کی گئی ہیں پاکستان کی تشکیل اور تعمیر کے لئے بھی کم ازکم اتنی ہی قربانیوں اور کوششوں کی ضرورت پڑے گی اور مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی ذہانت و فطانت اس بارِ عظیم کو آسانی سے برداشت کرلے گی اور اس راستے کی تمام مشکلات کو آسانی سے طے کرلے گی"

یوم عید ۱۸۔اگست ۱۹۴۷ء

آوازوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا اور میری سماعتوں پہ بوجھ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔میں جلدی مزار سے باہر نکلی تو نیچے کی جانب جناح میوزیم پہ نگاہ پڑی میرے قدم خود بخود اس جانب اٹھنے لگے۔میوزیم میں داخل ہونے پر بھی ایک عجیب سی یاسیت نے گھیرے میں لے لیا۔ایک ایک چیز کو غور غور سے دیکھتے میری نظر دیوار پر چسپاں کچھ واقعات پہ پڑی۔

لکھا تھا۔۔۔۔

"پاکستان کی پہلی کابینہ کا اجلاس تھا۔اس اجلاس میں قائدِ اعظم بھی موجود تھے۔اے ڈی سی گل حسین نے قائدِ اعظم سے پوچھا:

سر! اجلاس میں چائے پیش کی جائے یا کافی؟

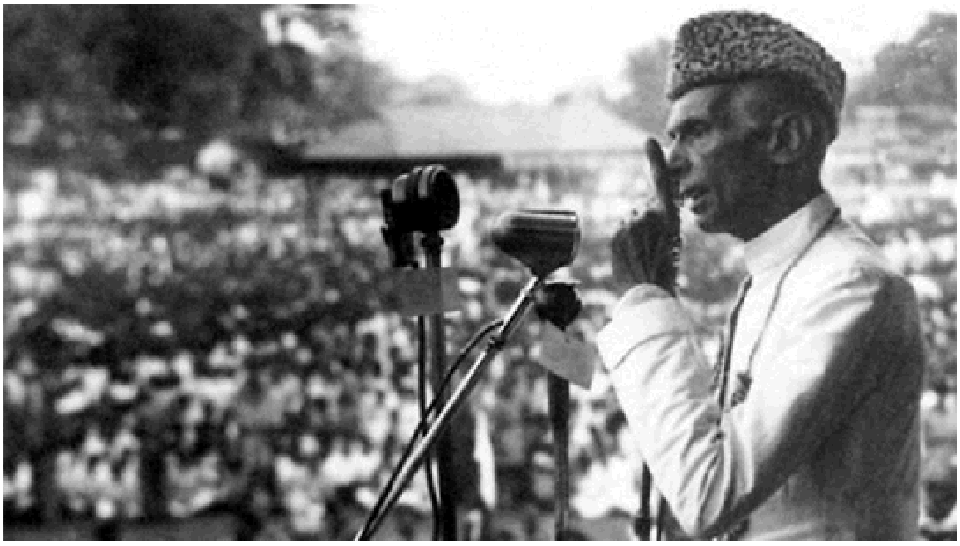
قائدِ اعظم نے چونک کر سر اٹھایا اور فرمایا:

یہ لوگ گھروں سے چائے کافی پی کر نہیں آئے؟

اے ڈی سی گھبرا گیا۔

قائدِ اعظم نے فرمایا:

جس وزیر نے چائے کافی پینی ہے گھر سے پی کے آئے یا پھر گھر واپس جا کر پیئے۔قوم کا پیسہ قوم کے لئے ہے وزیروں کے لئے نہیں"



میری نظر میں چند مہینوں پہلے کی ایک خبر گھوم گئی جب زرداری کی پاکستان آمد پر نواز شریف نے پر تکلف لنچ کا اہتمام کیا تھا جس میں ملکی وغیر ملکی 80 انواع واقسام ڈشیں بنوائی گئیں۔وہ خبریں بھی یاد آئیں کہ کیسے ہمارے حکمران بیرون ملک دورے پہ دورہ کرتے ہیں بمع فیملی و محلّہ۔

میوزیم میں میرے قائد کی استعمال شدہ چیزیں پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھیں ۔انکی سرکاری گاڑی،فرنیچر،کراکری، سگار،ہتھیار، کپڑے،پریکٹس گاؤن،تصاویر،قلم،لائبریری،قرآن پاک کے نسخے، کتابیں،بیڈروم سیٹ،بلیئر ڈاسٹک ہر چیز یوں چمک رہی تھی جیسے زمانے کی ہوا چھو کے بھی نہ گزری ہوان تمام چیزیں کو دیکھتے ہوئے میں سوچ رہی تھی کہ کتنی عظیم قوم ہے اپنے قائد کی چیزوں کی ایسی قدردان ۔لیکن کیا صرف یہ بے جان چیزیں ہی سنبھالنے لائق تھیں؟

ان کے افکاران کے فرمان ان کی عملی زندگی ؟ان سب کا کیا ہوا؟

مجھے قائد کی ایک ایک چیز خود پہ ہنستی محسوس ہوئی ۔مجھ سے زیادہ دیر وہاں کھڑا نہیں رہا گیا ۔باہر دالان کی سیڑھیوں پہ بیٹھ کر میں آنے والی پود کو کھیلتے کودتے دیکھتی رہی ۔ان بچوں کے معصوم چمکتے دمکتے چہرے مجھے کچھ سال پیچھے لے گئے ۔ایک بڑے سے صحن میں بھائی کے ساتھ مل کر جھنڈیاں بنائی جارہی تھی۔

بھائی کھلی جھنڈیاں لے آتے تھے پھر آٹے سے لئی بنا کر بڑی محنت سے بڑی محبت سی ایک ایک ڈوری میں پروتے جاتے تھے ۔میری بہن اور میں مل کر بھائی کی مدد کرتے مجھے یہ کام بہت دلچسپ لگتا لیکن میری بہن اکثر اکتا جایا کرتی اور بھائی سے کہتی کہ بنی بنائی جھنڈیاں بھی تو ملتی ہیں آپ بلاوجہ اتنی محنت کرواتے ہیں اور بھائی ہمیشہ کہتے کہ جو مزا اپنے ہاتھ سے ایک ایک جھنڈی پرونے میں ہے وہ باہر سے بنی بنائی لینے میں کہاں ۔ ہمارے گھر چودہ اگست کا دن گویا جیسے عید کا دن ہوا کرتا ۔کئی دن پہلے سے تیاریاں شروع ہوجاتیں ۔ ہری سفید چوڑیاں،سفید جوڑا اس پہ ہرا چنری کا دوپٹہ بڑا سا بیج ۔امی نے گھر کی چھت پہ لگانے کے لئے گھر پہ خود جھنڈا سلائی کر کے رکھا تھا جو ہر سال دھو کے استری کیا جاتا اور بڑے اہتمام سے بھائی چھت کی منڈیر پہ چڑھ کے لگایا کرتے ۔امی نے سو دیئے لا کے رکھے تھے بھائی ہر سال تیرہ اگست کی رات ان دیئوں کو رپینٹ کرکے ایک ایک سیڑھی پہ چھت کی منڈیروں پہ سجاتے ۔ پھر جھنڈیوں کی باری آتی اور ماشاءاللہ ہمارے بھائی بہت کری ایٹو ہیں تو ہر سال نت نئے انداز میں جھنڈیوں کی سجاوٹ کرتے نا صرف پورے گھر میں بلکہ باہر گلی میں بھی ہمارا گھر محلے کے تمام گھروں میں نمایاں ہوتا اور ساتھ ساتھ اونچی آواز میں ملی نغمے گاتے تو ہم سب بچے مل کر ان کا ساتھ دیتے ۔ابو ہمیں پاکستان کی تاریخ بتاتے ۔ہم سب بہن بھائی ابو کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتے اور وہ ہمیں بتاتے کہ ہمارے پرکھوں نے کتنی قربانیوں سے یہ وطن حاصل کیا۔علامہ اقبال کا خواب ،قائد کی جدوجہد،علماء کرام کی محنت اور قربانیاں عوام کا جوش اور جذبہ سنتے سنتے ہمیں پتا ہی نہیں چلتا کئی جگہ جوش اور جذبے سے ہمارے چہرے دمکنے لگتے کئی جگہ آنکھوں میں تحیر سمٹ آتا اور کئی جگہ نمی سے پلکیں بھیگ جاتیں۔

مجھے یاد ہے تب لوگوں میں جذبہ،حب الوطنی کوٹ کوٹ کے بھرا ہوتا ۔چودہ اگست کو پورے جوش وخروش سے منانے کے بعد اگلی صبح نیچے بکھری کچھ گیلی ادھوری جھنڈیاں کس عقیدت سے چومتے اور جمع کرتے کہ بے ادبی نہ ہو۔

لیکن آج....

میں آج کے بچوں کو آج کی نوجوان نسل کو دیکھتی ہوں مجھے بہت دکھ ہوتا ہے ۔آج کے بچوں وہ جذبہ وہ شوق نہیں ۔ بچے تو پھر معصوم ہیں مجھے زیادہ دکھ تب ہوتا ہے جب میں نئے خون نئی نوجوان نسل کو یہ سوال اٹھاتے سنتی ہوں کہ پاکستان کو علیحدہ ہونا ہی نہیں چاہیئے تھا۔بہت غلطی کی ہمارے بڑوں نے خود بھی مشکل جھیلی اور ہمیں بھی مشکل میں ڈال رکھا ہے ساتھ رہتے تو فائدے میں رہتے آخر ضرورت ہی کیا تھی علیحدہ وطن کی؟

کیا ضرورت تھی علیحدہ وطن کی؟

میرے دل چاہتا ہے ایسے نوجوانوں کو ہاتھ تھام کر ایک صدی پیچھے دھکیل دوں جہاں ساڑھے چھ لاکھ مسلمانوں کے لاشے چیخ چیخ کر ان سے سوال کر رہے ہیں کہ تمہیں پتا ہے؟؟؟؟؟ کہ کیوں ضرورت تھی علیحدہ وطن کی؟

مجھے سب سے زیادہ دکھ تب ہوتا ہے جب کوئی بھی ایرا غیرا اٹھ کر کہنا شروع کر دیتا ہے کہ قائداعظم سیکولر تھے..پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرہ قائد کا نہیں یہ صرف مولوی کا نعرہ ہے۔

آئیں ذرا سنیں میرے قائد کیا کہہ رہے:

"اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لئے اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح 1300 سال قبل قابلِ عمل تھے۔ میں یہ سمجھ نہیں سکا کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدون نہیں کیا جائے گا۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلم کو بھی کوئی خوف ڈر نہیں ہونا چاہیئے، ہر شخص سے انصاف، روا داری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

کراچی بار ایسوسی ایسن ۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکرا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی دھرتی حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو نافذ کر سکیں"

۱۳ جنوری ۱۹۴۷ء

میرے بیٹے نے میرا کاندھا جھنجھوڑا ! ماما آپ رو کیوں رہی ہیں آپ کو قائدِ اعظم یاد آرہے ہیں؟ مجھے بھی بہت یاد آتے ہیں میں نے سوچا ہے میں بڑا ہو کے قائدِ اعظم بنوں گا۔ میرے لب بے ساختہ مسکرا دیئے۔ مجھے افسوس تو ہے کہ آج کے نوجوان میں وہ جذبہ نہیں لیکن چنگاری ابھی بھی موجود ہے بس اسے صحیح سمت میں ڈھالنا ہے اور یہ کام ہم ماؤں کا ہے۔ عبداللہ اکثر مجھ سے فرمائش کرکے "پاکستان" کی کہانی سنتا ہے میں اسے بہت سی "پاکستان" کی کہانیاں سنا چکی ہوں لیکن اس کا دل نہیں بھرتا ہم مائیں یہ کام کر سکتی ہیں۔ ہم کہانیوں کے ذریعے اپنے بچوں کو بہت کچھ سکھا سکتی ہیں بہت کچھ سمجھا سکتی ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہانیوں سے بچے وہ وہ کچھ سیکھتے ہیں جو بڑے سے بڑا معلم بھی نہیں سیکھا سکتا کہانیاں بچوں کے ذہن پہ گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اس قوم کی ماؤں پہ بہت بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ ایک عورت تو کمزور ہو سکتی ہے لیکن ایک ماں ہرگز کمزور نہیں ہوتی ہم اپنے بچوں کی صحیح سمت میں تربیت کر سکتی ہیں۔ مانا کہ بہت دیر ہو چکی لیکن ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا اگر اور دیر کر دی تو کچھ نہیں بچے گا۔

یہ پاک روشن وطن ہمارا

ہماری جاں ہے..!!

تحریر: لبنیٰ رضوان (کراچی)



کھیل تماشہ

لوگ پہلے آپ کے ساتھ بہت اچھے سے رہیں گے۔آپ کو ایسے یقین دلاتے ہیں۔جیسے ہمارے سوا آپ کا کوئی نہیں ہے۔ساری باتیں شیئر کرنے لگ جاتے ہیں جیسے ہمارا سکون صرف آپ ہیں۔لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد یہی لوگ پھر آپ کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کے آگے سے گزر جاتے ہیں۔پھر کیا ہوتا ہے؟ یہی لوگ آپ کو جینا سکھاتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے جو کبھی بھی کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑتی، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔بیشک یہ دنیا صرف ایک کھیل تماشہ ہے۔

ازقلم: مریم بشیر احمد (لالیاں)





علمِ ڈیٹا سائنس

آگے بڑھتے ہوئے دور کی راہ میں ڈیٹا سائنس نے ہماری دنیا میں ایک نیا اور مہم پذیر دور میں قدم رکھا ہے، جس نے ہر شعبے میں تبدیلی لانے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ تقنیت ہمیں معاصر جہان میں حکومت کرنے کے لیے ذہانت، تجزیے اور ترکیبی اہمیت فراہم کرتی ہے۔

ڈیٹا کا راز:

ڈیٹا سائنس کی دنیا میں ایک چمکتا ہوا حصہ ہے ڈیٹا کا راز۔ ہر دن میں ہمیں ملنے والے مختلف اطلاعات کو تجزیہ کرکے ہم انسائیکلوپیڈیا کی مانند دنیا کو سمجھتے ہیں۔

مسئلے کا حل:

ڈیٹا سائنس نے مختلف شعبوں میں مسائل کا حل کرنے میں مدد کی ہے۔ صحت، تعلیم، مصرف اور دیگر امور میں مشکلات کا حل ممکن ہوتا ہے جب ہم ڈیٹا سے مکمل اور دقیق معلومات حاصل کرتے ہیں۔

ہنرمند ترکیب:

ڈیٹا سائنس نے ہنر اور ترکیب کو ملا دیا ہے۔ یہاں، ہمیں ڈیٹا کو خام دھاتی مواد ماننے کی بجائے، ایک چمکتی ہوئی چیز سمجھنے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔

ٹیکنالوجی کا استعمال:

ڈیٹا سائنس کے ذریعے ٹیکنالوجی کا بھرپور استعمال ہوتا ہے۔ ہوش کھولنے والی تخلیقات، خود کام کرنے والے گاڑیاں اور آپ کے ہر قدم میں جاری ہونے والا انوویشن یہ سب ڈیٹا سائنس کے زیرِ اہتمام ہے۔

مستقبل کا راستہ:

ڈیٹا سائنس کا استعمال ہر روشنی میں طرح روشن ہے۔ ہم مستقبل میں مزید انقلابات کا سامنا کریں گے۔ جب ہم ڈیٹا کو مزید ہوشیاری سے استعمال کریں گے۔ ختم ہوتے ہوئے ڈیٹا سائنس نے ایک نئے عصر کا آغاز کیا ہے جس نے ہر قدم میں ہمیں نیا حسینہ دکھایا ہے۔ ہمیں یہ یقین کرنا چاہئے کہ ڈیٹا کا استعمال ہمیں نہایتی فائدہ پہنچاتا ہے تاکہ ہم ایک بہترین اور زیادہ ترقی یافتہ مستقبل میں گامزن ہوسکیں۔

تحریر: ایشورسولنکے (ممبئی۔انڈیا)



محمد عاطف قادری۔راولپنڈی

از علامہ محمد اقبالؒ

یہ نظم امام مہدی علیہ السلام کے متعلق ہے وہ اس انداز سے امامت کریں گے

اِمامت

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے

حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

معانی: امامت: اللہ تعالی کا نظام حاکمیت۔ اسرار: بھید۔

اے شخص تو نے مجھ سے قوموں کے راہبر ہونے کی حقیقت پوچھی ہے۔یعنی یہ پوچھا ہے کہ جو شخص ملت کا امام بننے کے قابل ہے اس میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں۔ میں بتاتا ہوں خدا کرے تو بھی میری طرح بھیدوں کا جاننے والا بن جائے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق

جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

معانی: برحق: سچا۔حاضر و موجود: زمانی فلسفوں کی بحث، ظاہر پرستی۔

تیرے زمانے کا سچا امام وہی شخص ہو سکتا ہے جو تجھے عہد حاضر کی تمام قباحتوں سے بیزار کردے۔ تجھے ظاہر پرستی سے نکال کر حقیقت پسند بنادے اور تیرے دل میں مغربی تہذیب کی پیدا کردہ برائیوں کے مقابلے میں اسلامی اقدار و عقائد صحت کے ساتھ پیدا کردے۔

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست

زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

وہ امام برحق یہ خصوصیات بھی رکھتا ہو کہ تجھے موت کے پس پردہ حقیقت کا اور محبوب حقیقی کا چہرہ دکھا کر تیرا جینا مشکل کردے اور تیرے اندر ہر وقت یہ خواہش رہے کہ میں شہادت کا مرتبہ پاکر جلد اپنے محبوب سے جاملوں۔

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے

فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

معانی: سان: تلوار تیز کرنے والا آلہ۔ زیاں: نقصان۔ فقر: درویشی۔ لہو گرمانا: حرارت پیدا کرنا، جوش پیدا کرنا۔

امام برحق کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تجھے تیرے اس نقصان کا جو مسلمانوں کو صدیوں سے پہنچ رہا ہے احساس دلا کر تیرے لہو کو گرم کردے اور تجھ میں اس نقصان کو پورا کرنے کا احساس پیدا کردے اور تیری زندگی کو فقر کی سان پر چڑھا کر تلوار کی طرح تیز کردے۔ ایسی تلوار بنادے جو باطل کو کاٹ کر رکھ دے۔ فقر اقبال کے نزدیک وہ جوہر ہے جو مسلمان کو صحیح مسلمان بناتا ہے۔

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی

جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

معانی: فتنۂ ملت بیضا: قوم کا فتنہ۔ سلاطیں کا پرستار: بادشاہوں کی طرف جھکاؤ رکھنے والا، یعنی آسائشوں میں پڑا ہوا

وہ امام وہ راہبر قوم جو تجھے بادشاہوں، درباروں، وڈیروں، نوابوں وغیرہ کا پجاری بنادے اس امام کی قیادت اور راہبری روشن ملت کے لیے فساد کے سوا کچھ نہیں۔ جیسا کہ آج کل کے اکثر دینی اور دنیاوی پیشواؤں کا حال ہے۔ ایسے شخص کی امامت فائدے کے بجائے نقصان کا سبب ہے

علامہ محمد اقبال

بانگ درا

علامہ محمد اقبال کے یہ اشعار آخری دورِ خلافت کے متعلق ہیں:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش

اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود

پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

آنکھ جو دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے



اپنے پیچھے کوئی نہ کوئی شارک رکھیے

جاپانیوں کو تازہ مچھلیاں بہت پسند ہیں۔لیکن جاپان کے قریب کے پانیوں میں کئی دہائیوں سے بہت ساری مچھلی نہیں پکڑی جاتی لہذا جاپانی آبادی کو مچھلی کھلانے کے لئے ماہی گیری کشتیاں بڑی ہوتی گئیں اور پہلے سے کہیں زیادہ دور جانے لگیں۔ماہی گیر جتنا دور گئے مچھلیوں کو پکڑ کر واپس لانے میں اتنا ہی زیادہ وقت لگنے لگا۔اس طرح ساحل تک باسی مچھلی پہنچنے لگی۔مچھلی تازہ نہیں تھی اور جاپانیوں کو ذائقہ پسند نہیں تھا۔اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے فشنگ کمپنیوں نے اپنی کشتیوں پر فریزر لگائے۔وہ مچھلی کو پکڑ کر سمندر میں منجمد کر دیتے۔فریزر کی وجہ سے کشتیوں کو مزید دور جانے اور زیادہ دیر تک سمندر میں رہنے کا موقع ملا۔تاہم، جاپانیوں کو منجمد مچھلی کا ذائقہ بھی پسند نہ آیا۔منجمد مچھلی کم قیمت لاتی تھی۔تو، ماہی گیری کرنے والی کمپنیوں نے فش ٹینک لگائے۔وہ مچھلی کو پکڑ لیتے اور ٹینکوں میں بھر کر لے آتے۔تھوڑے وقت کے بعد، مچھلیاں سست ہو جاتیں۔وہ زندہ رہتیں لیکن مدہوش ہو جاتیں۔بدقسمتی سے، جاپانیوں کو اب بھی اس مچھلی کا ذائقہ پسند نہ آیا چونکہ مچھلی کئی دن تک حرکت نہیں کرتی تھی اس لئے تازہ مچھلی کا ذائقہ کھو جاتا۔ماہی گیری کی صنعت کو ایک آنے والے بحران کا سامنا کرنا پڑا! لیکن اب اس بحران پر قابو پا لیا گیا ہے اور وہ اس ملک میں ایک اہم ترین تجارت بن کر ابھرا ہے۔جاپانی فشنگ کمپنیوں نے اس مسئلے کو کیسے حل کیا؟ وہ جاپان میں تازہ چکھنے والی مچھلی کیسے حاصل کرتے ہیں؟ مچھلی کے ذائقے کو تازہ رکھنے کے لئے جاپانی ماہی گیری کی کمپنیوں نے اس مچھلی کو ٹینکوں میں ڈال دیا۔لیکن اب وہ ہر ٹینک میں ایک چھوٹی سی شارک کو شامل کرتے ہیں۔شارک کچھ مچھلی کھا جاتی ہے لیکن زیادہ تر مچھلی انتہائی رواں دواں متحرک حالت میں آتی ہے۔مچھلی کو شارک سے خطرہ رہتا ہے اور اسی وجہ سے وہ متحرک رہتی ہیں اور صحت مند حالت میں مارکیٹ تک پہنچتی ہیں۔وہ اچھی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔خطرے کا سامنا انھیں تازہ دم رکھتا ہے! انسان بھی مختلف نہیں ہیں۔ایل رون ہبارڈ نے 1950 کی دہائی کے اوائل میں مشاہدہ کیا: "انسان صرف ایک مشکل ماحول کی موجودگی میں عجیب طور پر کافی پنپتا ہے"۔"جارج برنارڈ شا نے کہا: "اطمینان موت ہے!" اگر آپ مستقل طور پر چیلنجوں کو فتح کر رہے ہیں تو آپ خوش ہیں۔آپ کے چیلنجز آپ کو متحرک رکھتے ہیں۔وہ آپ کو زندہ رکھیں گے! اپنے ٹینک میں شارک رکھیں اور دیکھیں کہ آپ واقعی کہاں جا سکتے ہیں!

اگر آپ صحت مند، کم عمر اور متحرک نظر آتے ہیں تو یقینی طور پر آپ کے ٹینک میں شارک موجود ہے۔شارک کو اپنی زندگی میں موجود رکھیے۔

تحریر: مرشد مسعود

انتخاب: شیخ مبارک احمد (ملائشیاء)

انصافِ محبت (قسط اول)

ثمرہ بنتِ امان اللہ

اسلام وعلیکم کیسی ہے آپ؟اس کے لبوں کی مسکراہٹ نے اِحسال کوتذبذب کا شکار کیا لیکن وہ اپنے ری ایکشنز چھپانے میں ماہر تھی ۔وعلیکم اسلام مسٹر ماہر سکندر۔وہ دھیما سا مسکرا کر بولی سادہ سیاہ سوٹ کندھوں سے نیچے تک سیدھے بال جیسے وہ چمکتے بال ہمیشہ سے ہی ایسے رہے ہوں کبھی انہیں قید نہ کیا گیا ہو۔ آج اتنے عرصے بعد کہاں سے یاد آگ ء شاہکارولا کی؟وہ سیاہ کوٹ میں ملبوس اس خوبصورت ڈرائنگ روم کے سیاہ صوفے پر بیٹھا جس کی نفاست کی زمہ داری عائشہ سکندر کی ہوتی تھی ۔اس کے جملے کے اختتام پراحسال مسکرائی ۔مجھے کبھی بھی شاہکارولا کی یاد نہیں آ ءاس میں بسنے والی عائشہ سکندر کی یاد مجھے یہاں کھینچ لاتی ہے ۔وہ بولی اس کی آواز میں ایک خوبصورتی تھی ایک مضبوطی جیسے وہ بچپن میں مقررہ رہ چکی ہو وہ ہمیشہ اس کی آواز کو سننا پسند کرتا تھا مگر مجال ہے جو آج تک اسے بتایا ہو۔اور شاہکارولا کے ذہین سپوت ماہر سکندر کے بارے میں کیا سوچ رکھتیں ہیں آپ؟وہ مصنوعی خفگی سے بولا ۔فی الوقت تو مجھے عائشہ سے ملنا ہے پھر کبھی ملے تو فرصت سے بیٹھ کر بتاؤں گی کہ کیا سوچ رکھتی ہوں میں شاہکارولا کے ذہین سپوت کے بارے میں ۔اس نے دائیں طرف رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور عائشہ کے کمرے کی طرف بڑھی اور وہ دھیما سا مسکرا کر اپنا فون چیک کرنے لگ گیا تھا۔

****

تم کب آئی ؟ گندمی رنگ والی عائشہ پنک اور روائٹ کلر کے لباس میں ملبوس ہیئر برش کرنے میں مصروف اسے آتا دیکھ کر مسکرائی ۔پچھلے سینتالیس منٹ سے آپکے ڈرائنگ روم میں موجود آپکی ملازمہ کی ہدایت پر بیٹھی تھی کہ محترمہ شاور لے رہی ہے ۔وہ خفا سی ہوئی عائشہ کے لبوں سے اوہ نکلا تو تم میرے روم میں آجاتی ؟وہ بولتے ہو؟ کیچر بالوں پہ لگانے لگی ۔(اگر تمہارے کمرے میں آجاتی تو اسے کیسے ملتی جس سے ملاقات آج دو ماہ بعد ہوئی تھی)۔زیب دیتا ہے کیا کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے میں آجاؤ۔وہ تھوک نگل کر بولی اور عائشہ اسکے پاس آ کر بیڈ پر بیٹھی ۔بھ ہواہ احسال سلطان اتنے مینرز امپریسو!وہ بولی ۔شاپنگ پر چلیں ؟وہ اب چیونگم اپنے بیگ سے نکال کر کھانے لگی اور ایک عائشہ کیطرف اچھالی ۔ America دو ماہ رہ کر آئی ہو اور پھر سے شاپنگ واہ بھئی واہ!وہ خفا ہوئی وہ دونوں بیسٹ فرینڈ زتھی لیکن عائشہ ہمیشہ اسکی زیادہ شاپنگ کرنے سے خفا ہوتی تھی کیونکہ احسال ایک ہی چیز کئی دفعہ خرید لیتی ۔امریکا میں زہرا کی شادی پر گئی تھی ۔وہ اپنی کزن کا ذکر کرنے لگی ابھی تین دن پہلے ہی وہ پاکستان آئی تھی ۔عائشہ نے اسے بغور دیکھا اور کچھ یاد آنے پر الماری سے ایک اسپیشل کارڈ نکالا اور اسکی جانب بڑھایا اس نے چیونگم چباتے ہو ؟ ابرواچکا؟ ۔نیکسٹ ویک شادی ہے ماہر بھائی کے فرینڈ اسرار کی ۔وہ اسے کہہ رہی تھی لیکن اسکی اداسی بھانپنے کے لیے احسال کو زیادہ وقت نہ لگا۔اس نے کارڈ کھول کر دیکھا اور پھر اسے بند کر کے رکھ دیا۔ جو ہمارا نہیں ہو سکتا ہمیں اس کے لیے اپنے آنسوں بہانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے آنسوں بہت قیمتی ہوتے ہیں عائشہ عام لوگ کبھی اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتے ۔وہ اس کی آنکھوں میں آئی نمی کو بغور دیکھ رہی تھی عائشہ کی نمی نے آنسوؤں کی شکل اختیار کر لی اور وہ اسکے گلے لگی ۔میں نے اس انسان سے بہت محبت کی ہے ۔۔۔۔احسال اسکے لیے دعائیں کی ہے ۔وہ برستی آنکھوں میں آیا پانی بہا دینا چاہتی تھی احسال نے اسے خود سے دور کیا اور شانوں سے پکڑا ۔بلکل چپ کوئی ضرورت نہیں ہے ان آنسوؤں کی تمہاری زندگی میں اس سے بہت بہتر انسان آئے گا میرا وعدہ ہے تم سے ۔وہ اسے زور سے گلے لگا کر بولی عائشہ معصوم تھی ہاں وہ بیرسٹر ماہر سکندر کی بہن تھی معصوم سی عائشہ ۔اب ایک گڈ نیوز ہے میرے پاس ۔وہ اپنے ہاتھوں کے پوروں سے اس کے آنسوں صاف کرتے ہوئے بولی ۔کیا؟اسکی آواز بھاری ہوئی ۔ایسے نہیں کل کا لنچ ہم ساتھ کریں گے تب بتاؤں گی تب تک تم سوچوں عائشہ سکندر۔وہ

کہتی ہوئی نکلی تھی اسے نئی سوچ میں ڈال کر کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ عائشہ اس کے بارے میں سوچے وہ اس میرا اسرار کو بھول جا؟ کیونکہ احسال سلطان کو اس انسان سے کبھی ہمدردی نہیں ہوئی تھی احسال کو لوگوں کی پہچان تھی شاید یا وہ غلط تھی لیکن یہ سچ تھا کہ اب کل تک عائشہ صرف احسال کے بارے میں ہی سوچے گی۔

****

اِحسال! وہ گھر میں داخل ہوئی اور چور قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلنے لگی جب رافعہ سلطان کی آواز پر آنکھیں میچتی ہوئی مڑی۔ وہ سانولی تھی لیکن کچھ تھا جو بہت خوبصورت تھا اس میں اسکی آنکھوں کی چمک یا اس کے بال یا اس کا قد۔ اسکا قد پانچ فٹ آٹھ انچ تھا اور جب وہ ہیلز پہنتی تو اور بھی پیاری لگتی تھی۔ اپنی مماء کی آواز پر وہ پلٹی۔ بہت شوق ہے ناں تمہیں مجھے اور عادی کو پریشان کرنے کا صبح سے دس فون کیے ہیں تمہیں مگر محترمہ نا جانے کہاں گم تھی۔ وہ سختی سے بولتی ہوئی اسکے پاس آئی۔ وہ مما عائشہ سے ملنے گی تھی۔۔۔۔۔ تین دن ہو؟ ہیں تمہیں امریکا سے واپس آئے ہوئے اور چھ ملاقاتیں ہوگ ءہیں۔ وہ خفا ہوء لیکن احسال ان کے پاس آئی ہاتھ تھامے اور لبوں سے لگا؟ ایک ہفتے کی مہمان ہوں میں جانتی ہے ناں آپ کے آسٹریلیا جا رہی ہوں انٹرنشپ کے لیے میرا ویزا آ گیا ہے سلیکٹ ہوگ ءہوں میں بہت اچھی آپرچونیٹی (Opportunity) ہے مما مجھے ایز آ فزیوتھراپسٹ (As a Physiotherapist) سکالرشپ ملی ہے۔ لیکن اگر آپ خفا رہی تو کیا جا سکوں گی میں؟ وہ نرمی سے بولی اور روایتی ماؤں کی طرح رافعہ سلطان کے آنسوں دھڑا دھڑ نکلنے لگے۔ احسال نے لب بھینچے اور انکا ہاتھ تھامے سٹنگ ایریا کی طرف گئی۔ پلیز مما جانتی ہے ناں کہ میرا خواب ہے یہ اور کتنی محنت کی ہے اس سکالرشپ کے لیے؟ وہ اب ایموشنل بلیک میل کرنے لگی رافعہ سلطان نے آنکھیں صاف کی اور اپنا موٹا سا چشمہ اتار کر رکھا۔ کیا اس بارے میں تم نے ماہر سے بات کی ہے؟ وہ بولی جیسے یقین ہو کہ وہ انکار کردے گا مگر ماہر سکندر کہا بولتا تھا اس شیرنی کی باتوں میں اسکے فیصلوں میں۔ کل کروں گی لنچ ساتھ کرے گے ہم۔ وہ بولی۔ مما پلیز آپ اپنا موڈ صحیح کرے پتا ہے ناں احسال اداس ہو جاتی ہے۔ اب وہ انکا ماتھا چوم کر انہیں زور سے ہگ کر کے بولی۔ رافعہ سلطان چاہ کر بھی اسے روک نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ احسال کو اپنی تعلیم سے کتنی محبت تھی۔

****

آسمانی رنگ کی لمبی قمیض اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہلکا سا میک آپ اور گلابی لپ سٹک لگا؟ اس نے آسمانی دوپٹہ کندھے پر پھیلایا اور میرون کھسہ پہنے سیدھے بالوں والی احسال سلطان اپنا فون لیے پرس تھامے کمرے سے باہر نکلی جب اچانک عادی اس کے سامنے آیا اور بغور اسکا جائزہ لینے لگا وہ مسکرائی۔ تو مسٹر عادل سلطان کیسی لگ رہی ہوں؟ دائیں ہاتھ کا پوز بنا کر وہ بولی عادی کا زوردار قہقہہ آسمان کو چھونے لگا احسال پہلے حیران اور پھر پریشان سی واپس کمرے میں آئی اور خود کو دیکھا وہ بلاشبہ ایک خوبصورت لڑکی لگ رہی تھی جس کے کندھوں سے پھسلتے بال بار بار آگے آ رہے تھے غصے سے باہر آئی۔ کیا ہے؟ کیوں یہ دانت نکال رہے ہو؟ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔ بہت بری لگ رہی ہو۔ وہ کہہ کر وہاں سے بھاگا۔ گدھا وہ بڑبڑاتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف گئی۔ اگلے ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ایک بہت اچھے چائینیز اینڈ تھائی ریسٹورنٹ میں بیٹھی فون کو دیکھ رہی تھی جب وہ گرے شرٹ و بلیک جینز میں موجود اپنے ماتھے پر آتے کرلی بالوں کو پیچھے کرتا اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا۔ کیسی ہیں آپ؟ وہ لبوں پر ہمیشہ کیطرح مسکراہٹ سجائے بولا وہ ہمیشہ اس سے پہلے ڈیسائیڈڈ جگہ پہ پہنچ جاتی تھی اور ماہر ہمیشہ دیر لگا دیتا اب وہ خاموش تھی اور ماہر جان گیا تھا۔ کیس سٹڈی کر رہا تھا شاید اس لیے لیٹ ہو گیا ہوں۔ وضاحت کرنا وہ خوب جانتا تھا۔ شاید نہیں یقیناً پچھلے سات ماہ میں ہم چار دفعہ یوں باہر ملے ہیں ماہر سکندر اور تم ہمیشہ ایک ہی ریزن کیوں دیتے

ہو مجھے لیٹ آنے کا یا تو تمہیں کو فرق نہیں پڑتا یا تم بہت اسمارٹ بنتے ہو۔۔۔۔۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوا ہمیشہ وہی کیوں انتظار کرے اسکا؟۔ہمیشہ وہی کیوں اس کے لیے اتنی محنت سے تیار ہو؟اور وہ کبھی اسے نہ سراہے اور وہ کیوں ہمیشہ عام سے حلیے میں بھی اسے اتنا اچھا لگے؟(یا اللہ کاش میرے مقابل کبھی کوئی فیمیل لائر نہ ہو میں تو ہار جاؤں گا) سوری احسال آئندہ نہیں ہو گا آئی پرامس۔اسے لگا کہ وہ ہرٹ ہوا ہے اس لیے معذرت کر لی اب وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔عائشہ نہیں آئی؟وہ اب اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کے ساتھ تھام کر بولی ہمیشہ جب بھی وہ نروس ہوتی ایسے ہی کرتی تھی اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں کپکپاتی تھی اور وہ دائیں ہاتھ سے انہیں کچھ لمحے تھامے رکھتی تھی ماہر جانتا تھا لیکن اس نے کبھی احسال کو نہیں بتایا کہ وہ اس کی اس خوبی کے بارے میں بھی جانتا ہے اس وقت بھی وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا لیکن ایسے کہ اسے پتا ہی نا چل سکا اور فوراً اسکی طرف متوجہ ہوا۔عائشہ بزی تھی اس لیے نہیں آسکی۔(اللہ مجھے معاف کرنا اس کی منتیں کی ہے میں نے کہ آج کی میٹنگ پر صرف مجھے جانا ہے اور جتنی مشکل سے وہ مانی تھی یہ میں اور میرا اللہ ہی جانتا ہے)بزی تھی مگر وہ تو بہت ا یکسا یٹڈ تھی مجھ سے ملنے کے لیے؟وہ فوراً سوالیہ سے انداز میں بولی۔کیوں ابھی تو چوبیں گھنٹے بھی نہیں ہو؟آپ دونوں کی ملاقات کو؟وہ سادہ سے انداز میں بولا اور احسال اندر سے ذرا شرمندہ ہوئی لیکن باہر کے تاثرات وہ ہمیشہ چھپا لیا کرتی تھی۔نہیں وہ مجھے اسے اور تمہیں کچھ بتانا تھا۔وہ اب ذرا سنجیدہ ہوئی وہ ہمیشہ ماہر کو تم کہتی تھی اور وہ ہمیشہ احسال کو آپ کہتا۔اس کی بات پر ماہر نے اسے بغور دیکھا اب اس کے ہاتھ میز کے اوپر تھے۔وہ مجھے آسٹریلیا انٹرنشپ کے لیے جانا ہے سکولرشپ ملی ہے مجھے "رویل پرنس الفریڈ ہاسپٹل سڈنی " مجھے بہت اچھی اپورچیونٹی ملی ہے میں نے اپلا؟ کیا تھا کل ہی میسج آیا ہے دو سال کے لیے جانا ہو گا لیکن میں پاکستان آتی رہوں گی۔اس کی بات پر ماہر کچھ لمحے خاموش رہا لیکن اس کی نگاہوں کو خود پر بھانپ کر وہ مسکرا دیا۔دیٹسگر یٹ !تو کب جانا ہے آپ کو؟ نیکسٹ ویک۔وہ ہنسی وہ جان گئی تھی کہ ماہر خاص خوش نہیں ہے لیکن وہ اداس بھی نہ تھا وہ ایک آزاد خیال انسان تھا وہ چاہتا تھا کہ عائشہ ڈاکٹر بنے لیکن اس نے گریجویشن کے بعد گھر کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا وہ ایک سینسیبل لڑکی تھی مخلص اس لیے ماہر نے اسے زیادہ فورس نہیں کیا تو اب وہ احسال سلطان کو کیسے روک سکتا تھا دل چاہ کر بھی اسے روک نہ پاتا وہ ہمیشہ اسکی خوشیوں میں ہی اپنی خوشیاں تلاش کرتا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ احسال اسے محبت کرتی ہے لیکن اسکا اعتراف شاید وہ کبھی نہ کرے۔

****

وہ عدالت سے نکلا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا لیکن اچانک اسکی نگاہ دائیں طرف ماہر کی گاڑی پر پڑی وہ ذرا سا مسکرایا اسکا ڈمپل گہرا ہوا اور لمبی ناک سکڑی اسکی آنکھیں مسکراتی تھی اور بھورے بال اب وہ ماتھے سے پرے کرتا اس کی گاڑی کی جانب بڑھا اور گاڑی کا دروازہ کھولے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا۔ کونگریچولیشنز میر!وہ مسکراتے ہو؟ گرمجوشی سے اسکے گلے لگا وہ مسکرانے لگا۔چل اب ہم جا رہے ہیں مونال کھانا کھانے آئی مین ٹریٹ۔وہ گاڑی سٹارٹ کر کے بولا اسی گرے شرٹ میں وہ ملبوس تھا۔کس چیز کی ٹریٹ؟تیرا بھائی پہلی بار کیس نہیں جیتا۔اس کی آواز ماہر سے زیادہ بھاری اور رعبدار تھی۔ ابے چل میں بتاتا ہوں تجھے نہ تو تو نے مجھے اپنی منگنی کی ٹریٹ دی تھی اور اب کیس جیتنے پر بھی ٹرخا رہا ہے مجھے،بتاتا ہوں تجھے میں۔وہ گاڑی میں روڈ کی طرف لے گیا میر چپ رہا تھا۔

****

میروہ مجھے مہندی کے لیے کپڑے لینے ہیں ابھی۔وہ اس کے کمرے میں بنا اجازت کے آگئی وہ ہمیشہ بنا اجازت کے ہی آتی تھی۔کیوں؟کل بابا

صاحب نے جب سعدی کو کہا تھا کہ لے جاؤ تب کہاں تھی تم ؟وہ فون پر نگاہ جما کر بولا ۔ مجھے پتا تھا کہ روہی مرڈر کیس کا فیصلہ تمہاری شادی سے پہلے آجا؟ گا اس لیے نہیں خریدا میں نے ڈریس تم لے کر دو گے اب چلیں ۔وہ سیاہ جینز والی لڑکی اسے فورس کرنے لگی ۔توبہ ہے تم لڑکیوں سے بھی ۔وہ گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا ۔وہ شام کا ہی وقت تھا جب عائشہ ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی اور راستے سے احسال کو پک کیا عائشہ احسال سے خفا تھی کہ اس نے اسے یہ خبر پوشیدہ رکھی تھی لیکن اس کو منانا بہت آسان تھا کچھ ہی لمحے لگے تھے عائشہ کو وہ منا چکی تھی ۔عائشہ اگر میں تمہیں بتاتی تو تم ایموشنل ہو جاتی اور میں تمہیں اپنے لیے پریشان ہوتا نہیں دیکھ سکتی ۔وہ پرپل کلر کی لمبی قمیض و دچوڑی پاجامہ کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہن رکھے تھے وہ ہمیشہ نک سک سی تیار رہتی تھی جبکہ عائشہ سفید رنگ کے عبایا اور سیم اسکارف میں سادہ اور معصوم لگ رہی تھی وہ دونوں بچپن کی دوستیں تھی ہم عمر اور پرکشش ۔بڑا احساس ہے ناں تمہیں میرا جانتی بھی ہو کے اگر نہ دیکھوں زیادہ دن تمہیں تو رونا آتا ہے مجھے اور یہاں بات دو سال کی کر رہی ہو تم ۔وہ روہانسی ہوئی ۔عائشہ یار چچ ادھر آؤ وہ اسے ساتھ لگا کر بولی لیکن وہ رونے لگی تھی ۔اسی لیے نہیں بتایا میں نے تمہیں ۔وہ اسکی بھوری آنکھوں سے آنسوں صاف کرنے لگی تھی ۔چلو موڈ ٹھیک کرو شاپنگ مال آگیا ہے ۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی مال میں انٹر ہوئی تھی جب عائشہ کا فون بجا ۔اوہو بھاء کی کال ۔۔۔۔میں انہیں بنا بتائیں آگئی ہوں پریشان ہو رہے ہو نگے تم ایسا کرو احسال تم چلو میں آتی ہوں ۔وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ کندھے اچکائے کپڑے دیکھنے لگی ۔

****

آپ ؟واٹ آ پلیز ینٹ سرپرائز ۔وہ مسکرایا اور عائشہ کو لگا اسکی مسکراہٹ کی گہرائی میں وہ خود کھو دے گی لیکن وہ جلد ہی سنبھلی ۔شادی کی شاپنگ کے لیے آئی ہوں احسال کے ساتھ آپ ؟وہ مسکرائی اور اسکی مسکراہٹ بہت خوبصورت تھی ۔ہاں وہ مجھے بھی کام تھا کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے ہیں ۔(اتنی بےتکلفی تو کبھی نہیں تھی ان دونوں میں عائشہ کو اس سوچ نے گھیرا)سوری احسال میرا ویٹ کر رہی ہو گی پھر کبھی ۔وہ دھیما سا مسکرا کر معذرت کرتی ہوئی واپس مال میں آئی اور میر اسرار کے لبوں سے مسکراہٹ ہوا کی طرح بھاگی تھی جب عقب سے زوردار قہقہے کی آواز گونجی ۔واؤ داہینڈسم میر اسرار تم ۔۔۔۔۔۔یہ تھی اس کی محبت جو تم نے اسکی آنکھوں میں اپنے لیے ۔۔۔۔۔۔ فلک عرفان کی ہنسی نے اس کے اندر آگ جلا دی تھی ۔وہ ایک لمحے سے پہلے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں لے کر گیا ۔یہاں مروتم اور اگر ایک دفعہ اور ہنسی نہ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا ۔فلک کی آنکھیں بےاختیار بھیگی اس نے اسکا ہاتھ چھوڑا تو وہ سرخ تر ہو رہا تھا وہ خود واپس مال کی طرف بڑھ گیا ۔اور کچھ ہی لمحے لگے تھے اسے عائشہ سکندر کو ڈھونڈنے میں وہ کسی بات پر ہنس رہی تھی اور احسال نے اس کے ہاتھ پر تالی ماری ۔اچھا کیا تم نے اسے فری مت کروانا کبھی خوامخواہ ایسے لوگ زندگیوں میں گھس کر لوکوں کی پرائیویسی ڈسٹرب کرتے ہیں ۔وہ ہنسنے لگی ۔کھانا کھاؤ تم ۔عائشہ نے جیسے بلش کیا لیکن وہ کہاں اسے دیکھ رہا تھا وہ تو احسال سلطان کی طرف متوجہ تھا وہ تالی میر اسرار کو آگ کی طرح لگی اس کے منہ پر کسی نے تھپڑ رسید کیا ہو ۔کوئی کیسے پروسیکوٹر میر اسرار کو اگنور کر کے ایسے کھانا کھا سکتا تھا ۔ایک خون تھا جو اس کے سر پر سوار ہو رہا تھا لیکن لب بھینچے وہ وہاں سے نکل گیا اور وہ دونوں کتنے ہی لمحے وہاں بیٹھی رہی تھی جب وہ دونوں شاپنگ کے بعد مال سے نکلی تو احسال نے عائشہ کو دیکھتے ہو ؟ دماغ میں آیا سوال پوچھ ہی لیا تھا جو آج اس نے اپنی دوست سے اس کے اکلوتے اسمارٹ بھائی کے بارے میں پوچھنا تھا ۔ماہر کا موڈ کیسا ہے آج کل ۔آئی مین میں جا رہی ہوں ناں ویڈنسڈے کی صبح ۔وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرائی اور ذرا دور کھڑے بچے کو دیکھ کر بےاختیار مسکرائی جس نے برف کا گولا منہ سے لگا رکھا تھا جب اچانک اسے اس بچے کے ہاتھ خالی اور بےبس نظر آئے تھے ۔

****

ماہر سکندر اور تم ہمیشہ ایک ہی ریزن کیوں دیتے ہو مجھے لیٹ آنے کا یا تو تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا یا تم بہت اسمارٹ بنتے ہو۔۔۔۔۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوئے ہمیشہ وہی کیوں انتظار کرے اسکا؟ ہمیشہ وہی کیوں اس کے لیے اتنی محنت سے تیار ہو؟ اور وہ کبھی اسے نہ سراہے اور وہ کیوں ہمیشہ عام سے حلیے میں بھی اسے اتنا اچھا لگے؟ (یا اللہ کاش میرے مقابل کبھی کوئی فیمیل لائر نہ ہو میں تو ہار جاؤں گا) سوری احسال آئندہ نہیں ہو گا آئی پرامس۔اسے لگا کہ وہ ہرٹ ہوئے ہیں اس لیے معذرت کر لی اب وہ کچھ دیر خاموش رہی اور پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔عائشہ نہیں آئی؟ وہ اب اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کے ساتھ تھام کر بولی ہمیشہ جب بھی وہ نروس ہوتی ایسے ہی کرتی تھی اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں کپکپاتی تھی اور وہ دائیں ہاتھ سے انہیں کچھ لمحے تھامے رکھتی تھی ماہر جانتا تھا لیکن اس نے کبھی احسال کو نہیں بتایا کہ وہ اس کی اس خوبی کے بارے میں بھی جانتا ہے اس وقت بھی وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا لیکن ایسے کہ اسے پتا ہی نا چل سکا اور فوراً اسکی طرف متوجہ ہوا۔عائشہ بزی تھی اس لیے نہیں آسکی۔(اللہ مجھے معاف کرنا اس کی منتیں کی ہے میں نے کہ آج کی میٹنگ پر صرف مجھے جانا ہے اور جتنی مشکل سے وہ مانی تھی یہ میں اور میرا اللہ ہی جانتا ہے) بزی تھی مگر وہ تو بہت ایکسائیٹڈ تھی مجھ سے ملنے کے لیے؟ وہ فوراً سوالیہ سے انداز میں بولی۔کیوں ابھی تو چوبیں گھنٹے بھی نہیں ہوئے آپ دونوں کی ملاقات کو؟ وہ سادہ سے انداز میں بولا اور احسال اندر سے ذرا شرمندہ ہوئی لیکن باہر کے تاثرات وہ ہمیشہ چھپا لیا کرتی تھی۔نہیں وہ مجھے اسے اور تمہیں کچھ بتانا تھا۔وہ اب ذرا سنجیدہ ہوئی وہ ہمیشہ ماہر کو تم کہتی تھی اور وہ ہمیشہ احسال کو آپ کہتا۔اس کی بات پر ماہر نے اسے بغور دیکھا اب اس کے ہاتھ میز کے اوپر تھے۔وہ مجھے آسٹریلیا انٹرنشپ کے لیے جانا ہے سکولرشپ ملی ہے مجھے "رویل پرنس الفریڈ ہاسپٹل سڈنی " مجھے بہت اچھی اپورچیونٹی ملی ہے میں نے اپلائی کیا تھا کل ہی میسج آیا ہے دو سال کے لیے جانا ہو گا لیکن میں پاکستان آتی رہوں گی۔اس کی بات پر ماہر کچھ لمحے خاموش رہا لیکن اس کی نگاہوں کو خود پر بھانپ کر وہ مسکرا دیا۔دیٹس گریٹ !تو کب جانا ہے آپ کو؟ نیکسٹ ویک۔وہ ہنسی وہ جان گئی تھی کہ ماہر خاص خوش نہیں ہے لیکن وہ اداس بھی نہ تھا وہ ایک آزاد خیال انسان تھا وہ چاہتا تھا کہ عائشہ ڈاکٹر بنے لیکن اس نے گریجویشن کے بعد گھر کو زیادہ وقت دینا شروع کر دیا وہ ایک سینسیبل لڑکی تھی مخلص اس لیے ماہر نے اسے زیادہ فورس نہیں کیا تو اب وہ احسال سلطان کو کیسے روک سکتا تھا دل چاہ کر بھی اسے روک نہ پاتا وہ ہمیشہ اسکی خوشیوں میں ہی اپنی خوشیاں تلاش کرتا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ احسال اسے محبت کرتی ہے لیکن اسکا اعتراف شاید وہ کبھی نہ کرے۔

****

وہ عدالت سے نکلا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا لیکن اچانک اسکی نگاہ دائیں طرف ماہر کی گاڑی پر پڑی وہ ذرا سا مسکرایا اسکا ڈمپل گہرا ہوا اور لمبی ناک سکڑی اسکی آنکھیں مسکراتی تھی اور بھورے بال اب وہ ماتھے سے پرے کرتا اس کی گاڑی کی جانب بڑھا اور گاڑی کا دروازہ کھولے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا۔کونگریچولیشنز میر۔وہ مسکراتے ہوئے گرمجوشی سے اسکے گلے لگا وہ مسکرانے لگا۔چل اب ہم جا رہے ہیں مونال کھانا کھانے آئی مین ٹریٹ۔وہ گاڑی سٹارٹ کر کے بولا اسی گرے شرٹ میں وہ ملبوس تھا۔کس چیز کی ٹریٹ؟ تیرا بھائی پہلی بار کیس نہیں جیتا۔اس کی آواز ماہر سے زیادہ بھاری اور رعب دار تھی۔ابے چل میں بتاتا ہوں تجھے نہ تو تو نے مجھے اپنی منگنی کی ٹریٹ دی تھی اور اب کیس جیتنے پر بھی ٹرخا رہا ہے مجھے،بتاتا ہوں تجھے میں۔وہ گاڑی میں روڈ کی طرف لے گیا میر چپ رہا۔

میرو مجھے مہندی کے لیے کپڑے لینے ہیں ابھی۔وہ اس کے کمرے میں بنا اجازت کے آگئی وہ ہمیشہ بنا اجازت کے ہی آتی تھی۔کیوں؟ کل بابا صاحب

نے جب سعدی کو کہا تھا کہ لے جاؤ تب کہاں تھی تم ؟وہ فون پر نگاہ جما کر بولا۔ مجھے پتا تھا کہ روبی مرڈر کیس کا فیصلہ تمہاری شادی سے پہلے آجائے گا اس لیے نہیں خریدا میں نے ڈریس تم لے کر دو گے اب چلیں۔وہ سیاہ جینز والی لڑکی اسے فورس کرنے لگی۔توبہ ہے تم لڑکیوں سے بھی۔وہ گہرا سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔وہ شام کا ہی وقت تھا جب عائشہ ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکلی تھی اور راستے سے احسال کو پک کیا عائشہ احسال سے خفا سی تھی کہ اس نے اسے یہ خبر پوشیدہ رکھی تھی لیکن اس کو منانا بہت آسان تھا کچھ ہی لمحے لگے تھے عائشہ کو وہ منا چکی تھی۔عائشہ اگر میں تمہیں بتاتی تو تم ایموشنل ہو جاتی اور میں تمہیں اپنے لیے پریشان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔وہ پرپل کلر کی لمبی قمیض و دچوڑی پاجامہ کانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہن رکھے تھے وہ ہمیشہ نک سک سی تیار رہتی تھی جبکہ عائشہ سفید رنگ کے عبایا اور سیم اسکارف میں سادہ اور معصوم لگ رہی تھی وہ دونوں بچپن کی دوستیں تھی ہم عمر اور پرکشش۔بڑا احساس ہے ناں تمہیں میرا جانتی بھی ہو کے اگر نہ دیکھوں زیادہ دن تمہیں تو رونا آتا ہے مجھے اور یہاں بات دو سال کی کر رہی ہو تم۔وہ روہانسی ہوئی۔عائشہ یار چھ ادھر آؤ وہ اسے ساتھ لگا کر بولی لیکن وہ رونے لگی تھی۔اسی لیے نہیں بتایا میں نے تمہیں۔وہ اسکی بھوری آنکھوں سے آنسوں صاف کرنے لگی تھی۔چلو موڈ ٹھیک کرو شاپنگ مال آگیا ہے۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی مال میں انٹر ہوئی تھی جب عائشہ کا فون بجا۔اوہو بھاء کی کال۔۔۔۔میں انہیں بنا بتائیں آگئی ہوں پریشان ہو رہے ہونگے تم ایسا کرو احسال تم چلو میں آتی ہوں۔وہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ کندھے اچکائے کپڑے دیکھنے لگی۔

****

آپ ؟واٹ آ پلیزینٹ سرپرائز۔وہ مسکرایا اور عائشہ کو لگا اسکی مسکراہٹ کی گہرائی میں وہ خود کھودے گی لیکن وہ جلد ہی سنبھلی۔شادی کی شاپنگ کے لیے آئی ہوں احسال کے ساتھ آپ ؟وہ مسکرائی اور اسکی مسکراہٹ بہت خوبصورت تھی۔ہاں وہ مجھے بھی کام تھا کہیں بیٹھ کر کچھ کھاتے ہیں۔(اتنی بے تکلفی تو کبھی نہیں تھی ان دونوں میں عائشہ کو اس سوچ نے گھیرا) سوری احسال میرا ویٹ کر رہی ہوگی پھر کبھی۔وہ دھیما سا مسکرا کر معذرت کرتی ہوئی واپس مال میں آئی اور میر اسرار کے لبوں سے مسکراہٹ ہوا کی طرح بھاگی تھی جب عقب سے زوردار قہقہے کی آواز گونجی۔واؤ ڈا ہینڈسم میر اسرار تم۔۔۔۔۔یہ تھی اس کی محبت جو تم نے اسکی آنکھوں میں اپنے لیے۔۔۔۔۔۔ فلک عرفان کی ہنسی نے اس کے اندر آگ جلا دی تھی۔وہ ایک لمحے سے پہلے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں لے کر گیا۔یہاں مروتم اور اگر ایک دفعہ اور ہنسی نہ تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔فلک کی آنکھیں بے اختیار بھیگی اس نے اسکا ہاتھ چھوڑا تو وہ سرخ تر ہو رہا تھا وہ خود واپس مال کی طرف بڑھ گیا۔اور کچھ ہی لمحے لگے تھے اسے عائشہ سکندر کو ڈھونڈنے میں وہ کسی بات پر ہنس رہی تھی اور احسال نے اس کے ہاتھ پر تالی ماری۔اچھا کیا تم نے اسے فری مت کروانا کبھی خوامخواہ ایسے لوگ زندگیوں میں گھس کر لوگوں کی پرائیویسی ڈسٹرب کرتے ہیں۔وہ ہنسنے لگی۔کھانا کھاؤ تم۔عائشہ نے جیسے بلش کیا لیکن وہ کہاں اسے دیکھ رہا تھا وہ تو احسال سلطان کی طرف متوجہ تھا وہ تالی میر اسرار کو آگ کی طرح لگی اس کے منہ پر کسی نے تھپڑ رسید کیا ہو۔کوئی کیسے پروسیکوٹر میر اسرار کو اگنور کر کے ایسے کھانا کھا سکتا تھا۔ایک خون تھا جو اس کے سر پر سوار ہو رہا تھا لیکن لب بھینچے وہ وہاں سے نکل گیا اور وہ دونوں کتنے ہی لمحے وہاں بیٹھی رہی تھی جب وہ دونوں شاپنگ کے بعد مال سے نکلی تو احسال نے عائشہ کو دیکھتے ہوئے دماغ میں آیا سوال پوچھ ہی لیا تھا جو آج اس نے اپنی دوست سے اس کے اکلوتے اسمارٹ بھائی کے بارے میں پوچھنا تھا۔ماہر کا موڈ کیسا ہے آج کل۔۔۔آئی مین میں جا رہی ہوں ناں ویڈنسڈے کی صبح۔وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرائی اور ذرا دور کھڑے بچے کو دیکھ کر بے اختیار مسکرائی

۔۔۔۔۔۔۔(جاری ہے)

مفلس کا نوحہ

تحریر از: محمد عامر شہزاد (چنیوٹ)

ہمارے لئے زندگی دکھوں کی آتما کی بے سر چیخ کا عنوان ہے۔دھرتی پہ ہماری حیثیت کبھی اس تنکے سے زیادہ نہیں رہی جو گلیشئر کے بہاؤ میں بہہ رہا ہوتا ہے۔شائد ہمیں مر جانا چاہیے کیونکہ تاریخ کے جبر اور ساہوکاروں کے استحصال نے ہماری ہڈیوں تک سے لہو نچوڑ لیا ہے۔صدیوں کی مسافت سے آگے جب نیل کے پانیوں کے کنارے اہرام کھڑے کئے جا رہے اور ان کی پیشانیوں پہ فرعونوں کے نام کندہ ہو رہے تھے۔تاریخ اور سیاست کے خدا یہ بھول گئے کہ ان اہراموں کی بنیادوں کے نیچے ہمارا ہی لہو تھا اور انکی پرشکوہ بلندیوں کو ہم نے ہی اپنی ہمت سے بلند کیا تھا۔میرے ہاتھوں نے پہاڑوں کی پختگی کو پگھلا کر موم کیا اور وہ میرے ہی بھائی اور باپ تھے جو لاکھوں کی تعداد میں ان بڑے پتھروں کے نیچے کچل کر حرام کی موت مر گئے اور اب گمنامی کے جہنم میں ہمیشہ کے لئے جل رہے ہیں۔تاریخ کے کاتبوں کے کان اتنے بہرے اور ان کی آنکھیں اتنی اندھی ہیں ”نہ وہ ان بڑے پتھروں کے نیچے کچلی ہوئی گونگی چیخوں کو سن پا رہے ہیں اور نہ ان کی بنیادوں کے نیچے کچلی ہوئی ان نادار لاشوں کو“

ظل سبحانیوں, فرعونوں اور بادشاہوں کے خزانے جن کے بل بوتے پر وہ عیاشیاں کرتے تھے ہمیشہ مجھ ایسے مزدوروں اور کسانوں کے استحصال ہی سے بھرے ہیں میرے ہاتھوں پہ ان چھالوں کے نشان اب بھی نقش ہیں جو ابد کے رخسار پر تاج محل ایسا آنسو بہاتے ہوئے ابھرے تھے۔میں سوال کرتا ہوں فرعونوں اور بادشاہوں کے خدا سے کہ ظل سبحانیوں کی بانہوں میں اتنی ہمت اور ان کے مقدس ہاتھ اس فن سے بہرہ ور تھے کہ وہ کائنات کی انگوٹھی میں تاج محل اور اہراموں ایسا کوئی نگینہ گھڑ سکتے؟

ہماری جوانیاں معاش کی جکڑوں میں ڈھل جاتیں اور ہماری خوبصورتیاں زندگی کے جبر کی گرد سے اس قدر اٹ جاتی ہیں کہ ہم نازنینوں ایسی نزاکت لئے ہونے کے باوجود بھی بدصورتی کے داغ لئے زندہ رہتے ہیں۔تاریخ کا ہر موڑ میری بدصورتیوں کا گواہ اور وقت کی ہر کروٹ میری مجبوریوں کی بپتا ہے۔ہم کبھی بھی لوح قسمت کا قلم نہیں سنبھال سکے

ہمارے تقدیر کے فیصلے لٹیروں کے تختوں اور مکاروں کے ایوانوں میں ہی ہوتے آئے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ اب ہمیں مر جانا چاہیے کیونکہ ہم ساہوکاروں, سرمایہ داروں کی دنیا میں اک داغ ہیں اور احسن تقویم کا دعویٰ کرنے والے خالق کے کینوس کی جلالت پہ اک دھبہ۔زندگی کی تمام خوشیاں انہی کے قدموں کی دھول ہیں۔جن کے نام اہراموں کی پیشانیوں پہ کندہ ہیں اور جو ہماری تقدیروں کے خدا ہیں ان دولتمندوں کے خدا نے ہمیں ان کے پیٹ کی آگ بجھانے اور ہماری عورتوں کو ان کے بدن کی آگ بجھانے کے لئے پیدا کیا تھا۔میری ہڈیوں سے تمام لہو نچڑ چکا اور میری ہمت دم توڑ چکی ہے صدیوں کی ذلت سے میں اتنا روندا گیا ہوں کہ اب مجھے مر جانا چاہیے کیونکہ بہشتوں کے وعدے زندگی کی تلخیوں کے سامنے اتنے ماند پڑھ چکے ہیں کہ اب مجھ میں کسی ان دیکھے خدا کی کن کا بھرم رکھنے کی ہمت نہیں رہی۔

برگد

اے طائرِ سیاہ منقارالاعلمی میں کیسا سوال مجھ برگِ ضعیف پر داغ بیٹھے ہو جس کی تیزی آب پیکان سے کہیں زیادہ ہے تیرے سوال نے مندمل شدہ زخموں کو پھر سے آلا کر دیا ہے تم خود ہی بتاؤ تیری روح فرسا سوال کی گہرائی ماپوں یا اُس کے وار سے چھنی بدن پر مرحم رکھوں قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی زندگی بھر اتنی تکلیف سے کبھی نہیں گزرا جتنی تیرے ایک سوال نے دی ہے برسوں پرانے زخم تازہ ہو گئے ایکلاغ، پرندہ ناداں تم کیا جانو کبھی بڑے سے بڑا زخم اتنا دکھ نہیں دیتا جتنا اُسے کریدنے سے ہوتا ہے تھوڑا سا وقت تو دو مجھے کہ اُٹھتی ٹیسوں سے نبرد آزما ہو سکوں پھر تمہارے لغو سوال کا جواب دیتا ہوں کالے کوے تم نے میری تباہی کا حال کیوں کر پوچھا ماضی فراموش کر کہ کتنا خوش تھا جانتے بوجھتے ہر بات سے لاتعلق تم کیا جانو کبھی کبھی کمزور حافظہ کتنا باعث سکون ہوتا ہے ہاں ہاں تم کیا جانو بیوقوف پرندے حقیقتاً تم کچھ نہیں جانتے تمہاری طرح میری عمر چند دہائیوں پر مشتمل تھوڑی ہے مجھے تو صدیوں سورج کی آنکھ مچولی دیکھنا نصیب ہوئی ہے تم کیا سمجھتے ہو میرے پاس سنانے کے لیے چند لفظ ہیں اگر میں اپنی عمر کا خلاصہ بھی سنانے بیٹھوں تو تیری آدھی عمر گزر جائے سچ بتا تو واقعی اشتیاق رکھتا ہے میرا نوحہ سننے کا آیا وقت گزاری کے لیے بوڑھے سے چھیڑ چھاڑ کر رہا ہے میں کیسے تمہاری نیت پر یقین کر لوں



اور صدیوں پر محیط دفتر ماضی کی ساری دستاویزات تک تمہیں رسائی دے دوں پہلے میری آہ گری صرف مجھ بدنصیب تک محدود تھی اب تمہیں کیسے شریک نوحہ کر لوں تمہیں سچ بتاوں تو میری فسانے حیات میں آہوں سسکیوں اور آنسوں کے سوا کچھ نہیں ہے کیا ملے گا تمہیں پیوندشدہ روح اور زخم رسیدہ جسم کی کتھا سن کر کبھی ابن آدم خلیفہ زمیں کو میری دلگیری کا خیال نہیں آیا بیوقوف پرندے تمہیں کیوں کر آیا اگر میں سرزمین فرنگ پر ہوتا تو فطرت پرستوں کا موضوع شاعری بنتا مگر اس دھرتی کے وارث کو جھنگ کی ہیر میں نجانے کیا نظر آ گیا کہ ساری توانائی وہیں صرف کر دی اور میرے سمیت ساری برادری بس یہی سوچتی رہی کہ کبھی تو ہماری باری بھی آئے گی تمہارے پاس تو چھوٹا سا دل ہے کیا نغمہ آہو بکا سن لو گے چلو اتنی چاہت دکھلاتے ہو تناہی اصرار کرتے ہو تو الف سے ے تک سب بتائے دیتا ہوں میں اتنا غمگین اور مردم بیزار کیوں ہوں آج وجہ بتلائے دیتا ہوں تین صدیاں ہو چکی جب سے میں

اس زمین پر قدم جمائے کھڑا ہوں، میں یہاں کیسے پہنچا یہ بھی ایک مفروضہ ہی ہے کبھی کبھی تو شک گزرتا ہے کہ میرا یہاں ہونا تمہاری ہی نسل کے کسی طائرنا معقول کی کارستانی تھی جو میرا بیج اپنے فضلے کے ساتھ یہاں چھوڑ گیا لیکن کبھی یہ گمان بھی گزرتا ہے کہ ہوا میرے یہاں ہونے کا سبب ہے، چھوڑو اس تذکرے کو کیسے بھی آیا میں یہاں آ تو گیا پہلی بار جب زمین کی تہہ سے باہر آیا تو چمکتی دھوپ میں ہر شے حسین لگ رہی تھی تب میرا گردونواح ایسا تو نہیں تھا یہاں نہ تو بلند عمارتیں تھیں نہ کشادہ اور تارکول سے بنی سڑکیں، بلکہ ہر سو ہریالی تھی اور دیگر نواح کے میرے ہم جنس درخت بڑی اکڑ سے یہاں میرے چاروں سو موجود تھے، آہ کیا دن تھے وہ اور کتنے شفیق درخت تھے جو مجھے کبھی اپنے ماضی کے شاندار قصے سناتے کبھی میٹھی میٹھی لوریاں بھولنے والا تو کچھ بھی نہیں تھا مگر میں نجانے کیسے بھلائے بیٹھا تھا ان میرے ہم نفسوں پر کیسی کیسی نواح کے پرندے آ بیٹھتے تھے اور کیا کیا پیاری پیاری آوازوں سے چہچہاتے تھے تب میں سوچتا تھا کہ دنیا کتنی خوبصورت ہے مگر کیا جانتا تھا کہ بشر نام کی مخلوق بھی اس دھرتی پر بستی ہے جس نے اصل جنت کا سکون غارت کر دیا تھا وہ اس عارضی جنت کو کیسے بخش دے گا ایک دن پرندے چہچہانے کی بجائے سرگوشیوں میں سرگرم تھے حتی کہ بڑے بڑے درخت بھی اس گفتگو میں برابر شریک تھے مجھے ایک بے چینی سی لگ گئی آخر ہوا کیا ہے بڑی منت وسماجت کے بعد اتنا پتہ چلا کہ بادشاہ وقت انتقال کر گیا ہے پرندے بتا رہے تھے کہ امن ہو یا جنگ اُس نے کبھی نماز نہیں چھوڑی تھی مگر امن کے لیے ساری عمر جنگ میں گزار دی اور نہ کوئی بھائی زندہ چھوڑا نہ باغی اس کے مرنے سے کچھ لوگ خوش تھے کہ جلاد صفت شخص اپنے انجام کو پہنچا مگر کچھ مستقبل سے خوف زدہ بھی تھے تب میں نے انسان تو دیکھا نہیں تھا مگر یہ سوچ آئی کہ شاید انسان امن کے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے خواہ اپنوں کا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے سرگوشیوں کی روایت جو بادشاہ کے انتقال سے شروع ہوئی تھی پھر ماند نہ پڑی، بلکہ نہ صرف سرگوشیوں تازہ رہی بلکہ حصول تخت کے لیے بھائیوں کے درمیان رسہ کشی کی روایت بھی تازہ رہی بلکہ بادشاہ زادوں کی باہمی رسہ کشی کا خود چشم دید گواہ بن گیا تب میں کافی حد تک جوان ہو چکا تھا ہمارا مسکن دو اہم شہروں کے درمیان تھا بلکہ ایک شہر تو مجھ سے چند کوس دور تھا میدان جنگ ہمارے قریب ہی سجتا میری پہلی بار انسانوں سے شناسائی تب ہوئی، دونوں سپہ کے لوگ اپنی ضرورت کے پیش نظر میرے دوستوں کو کاٹ کر لے جاتے مگر پتہ نہیں کیوں مجھے کچھ نہیں کہا گیا؟ شاید میں انکی ضرورت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا ان جنگوں کی وجہ سے میرے اکثر دوست مجھ سے بچھڑ گئے پہلی بار انسانی سنگ دلی اور بے بسی کو براہ راست دیکھا میری رگوں نے پہلی بار انسانی خون کو چکھا جب ایک ایسی ہی جنگ میں چند زخمی سپاہیوں کو ان کے ساتھی میرے سائے تلے چھوڑ کر میدان جنگ میں واپس چلے گئے تھے تب مجھے گمان گزرا کہ انسان کو تخت بہرصورت عزیز ہے اس کے لیے وہ خون بہانے سے دریغ نہیں کرتا خواہ وہ اپنوں کا ہی کیوں نہ ہو مسلسل چلنے والی جنگوں سے میرے اردگرد کافی تبدیلیاں رونما ہو گئی تھیں ہر سو نظر آنے والی ہریالی چٹیل میدان میں تبدیل ہو چکی تھی چند راہگیروں نے نیا راستہ نکال لیا تھا ابھی بادشاہ زادوں کی باہمی لڑائیاں تھمی نہیں تھیں کہ ایک نئی طاقت نے سر ابھارنا شروع کر دیا جو خود کو دھرتی کے بیٹے کہتے اور نسل شاہی کو خارجی یا درانداز کہنے لگے ان کی نت نئی باتیں پرندے سرگوشیوں میں مجھے بتلاتے کیوں کہ ایک قریب قریب انکا کوئی اور ٹھکانہ نہیں تھا چند ایک ساتھیوں کو چھوڑ کر باقی سب جنگوں کا ایندھن بن گئے تھے رفتہ رفتہ بات دعووں سے نکل کر تلواروں کی جھنکار تک پہنچ گئی اور اس نئی سلسلہ وار جنگوں نے اس برگ بدنصیب کو پھر سے چشم دید گواہ بنا لیا وہی پرانے واقعات دھرائے گئے نسل انسانی کا خون میری رگوں میں پھر سے سرایت کر گیا میری رگیں جب بھی انسانی خون چکھتی تو اک عجیب سے بے چینی یا سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ان جنگوں نے میرے خیالات میں واضح تبدیلی لائی مجھے یوں لگنے لگا کہ دھرتی انسان کی اولین ترجیح ہے اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے خواہ اُسے کتنا بھی خون نہ بہانہ پڑے میرے خیالات کی طرح اردگرد بھی کافی تبدیلیاں رونماں ہو چکی تھیں آمد و رفت کے لیے رہگیروں کا بنایا عارضی راستہ باقاعدہ گزرگاہ بن چکا تھا ابھی پرانی

جنگوں کی گرد بیٹھی بھی نہ تھی کہ ایک نئی طاقت سامنے آئی جو رنگ و نسل میں خارجیوں اور مقامیوں سے یکسر مختلف تھی سورج کی روشنی کی طرح سفید اور لومڑی کی طرح مکار چند دھرتی زادوں کی مدد سے کثیر دھرتی کے رکھوالوں کو شکست دے ڈالی اپنوں سے غداری کرتے انسان کو دیکھ کر میرا نظریہ پھر بدل گیا مجھے یوں لگنے لگا کہ انسان کو صرف زر کی چاہ ہے اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا اپنوں سے غداری بھی کر سکتا ہے اور اور انکا خون بھی بہا سکتا ہے سات سمندر سے آنے والے سفید فام بہت ذہین تھے انہوں نے مقامی افراد کو مشغول کرنے کہ لیے نہریں نکالی اور نئی زمینیں آباد کی منڈیوں تک رسائی کے لیے پکی سڑکیں بنائیں میرے ارد گرد کا علاقہ انہی نہروں کی بدولت چٹیل میدان سے لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہو گیا اور کچی گزرگاہ پکی سڑک میں تبدیل ہو گئی علاقے میں خوشحالی نے آنکھیں کھولنا شروع کر دی مگر کچھ سر پھرے ایسے بھی تھے جو ان غیر ملکیوں کے غلامی کو قبول کرنے سے منکر تھے اور پوشیدہ اور با ظاہرا انکے خلاف بر سر پیکار تھے میری رگوں نے ان متوالوں کا بھی چکھا تھا جو سب سے شاندار تھا تب میرے خیالات میں بھی تبدیلی آئی اور میں سوچنے لگا کہ انسان کو آزادی سب سے پیاری ہے اور وہ اس کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے اور خون بہا سکتا ہے وقت گزرا اور غیر ملکیوں کو احساس ہوا کہ اب وہ یہاں زیادہ وقت نہیں ٹھہر سکتے عزت ایسی میں ہے کہ ملک مقامی لوگوں کے حوالے کر کہ کوچ کیا جائے آزادی کے متوالے بھی دو طرح کے تھے ایک وہ جو کہتے تھے یہ دھرتی ایک ہے اور بسنے والے بھی ایک مگر دوسرے کہتے کہ ہم الگ ہیں اور ہمیں الگ ہی رکھا جائے ہمارا مذہب اور ان کا مذہب اور خواہ کھانا بولی اور ثقافت ایک ہے مگر پہچان مختلف ہے مذہب کے نام پر دھرتی تقسیم ہو گئی مگر یہ تماشہ یہیں نہیں رُکا بلکہ اس شجر بد نصیب نہ وہ وہ منظر دیکھا جس کا کبھی گمان کرنا بھی مشکل تھا ایک جیسی شکلوں، خون، زبان اور زبان رکھنے والے لوگ مذہب کے نام پر آپس میں یوں دست و گریبان ہوئے کہ انسانیت بھی شرما گئی تقدس و حیا کی ساری سرحدیں پامال کر دی گئیں اپنوں کے ہاتھ اپنوں کو مرتا اس بد نصیب نے دیکھا اپنوں گھروں کو مجبوراً الوداع کہتے سنا کبھی ان کے آبا و اجداد جس دھرتی پر فخر سے چلتے تھے آج ان کا خون یہاں اجنبی ہو گیا جو کل دھرتی ماں تھی آج جاہ پناہ بھی نہ بنی تمہیں کیا کیا بتاؤں ضدی کوے کیسے کیسے انسانیت سوز منظر دیکھنے کو ملے جو کل باپردہ تھیں آج بیچ چوراہے ذلیل ہوئیں رفتہ رفتہ وہ سب یہاں سے چلے گئے جسے دھرتی نے مذہب کے نام پر بیگانہ کر دیا تھا اپنی دھرتی سے جلاوطنوں کا ایک اور قافلہ میری پناہ میں آ کر رُکا فرق بس اتنا تھا کہ وہ دوسری طرف سے آئے تھے کہانی ان کی بھی ویسی ہی تھی کچھ دن وہ میرے گرد رُکے رہے تو ان سے انسیت سی ہو گئی عورتیں رات بھر بچھڑنے والوں کو روتی اور دن بھر ساتھ والوں کی خدمت کرتیں مرد حقے کے دھوئیں میں اپنی جاہ پیدائش کھونے کا غم ہلکا کرتے یا رات کی تنہائی بچھڑنے والوں کو روتے ہوئے تو ان کے ساتھ وہی تھا جو یہاں والوں کے ساتھ ہوا تھا انہیں بھی ساتھ کھیلنے والوں نے تہی داماں کیا تھا تب میں سوچتا تھا کہ مذہب انسان سب سے اولین ہے جس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے خواہ اپنوں کا ہی خون کیوں نہ بہانہ پڑے زخمیوں نے میری رگوں کو پھر سے خون انسانی سے متعارف کروایا پتہ نہیں کیوں اب اس خون سے وحشت ہونے لگی تھی دل سے ایک ہی دعا نکلتی تھی کہ بس اب اور نہ ہو اور امکانات بھی یہی تھے تقسیم ہو گئی جھگڑے سارے ختم ہو گئے وقت گزرا لوگ پرانے زخموں کو بھول کر نئی دنیا بسانے میں لگ گئے نئی تبدیلیاں رونما ہوئیں شہری آبادیاں وسیع ہونے لگیں کل جو میں شہر سے کوسوں دور تھا مضافات میں آ گیا دن اچھے گزر رہے تھے پرندوں کی سرگوشیاں پھر سے ہونے لگی پتہ چلا کہ دونوں اطراف کے لوگ زخم نہیں بھولے ہیں اور پھر سے بدلہ لینے پر تلے ہیں ان کی باتیں سچ ہوئیں ایک نہیں دو دو جنگیں ہوئیں میرا ٹھکانہ سرحد سے زیادہ دور نہیں تھا اسی لیے میں پھر سے چشم دید گواہ بنا میری رگوں نے محبّ وطن سپاہیوں کا خون چکھا وہ بلکل آزادی کے متوالوں جیسا تھا تب خیال گزرا کہ وطن انسان کے لیے سب سے مقدم ہے اس کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتا ہے خواہ اپنا خون بہانہ پڑے یا بیگانہ زندگی اپنی تیز رفتار سے دوڑ رہی تھی چند چھوٹے موٹے واقعات نے توجہ طلب کی اور

میرے خیال میں تھوڑی سی اور تبدیلی آئی خواہ بات جمہوریت کی ہو یا کسی کو کافر کہلوانے کی تحریک ہو انسان نے مجھے سوچنے کے لیے نئے موضوعات دیے وقت نے کچھ تبدیلیاں اور کیں جہاں لہلہاتے کھیت تھے وہاں دھواں اُگلتے کارخانے لگ گئے میرے اردگرد چہل پہل بڑھ گئی ایک کشادہ سڑک میرے پہلو سے گزار دی گئی اطراف میں بلند قامت عمارتیں سر اُٹھانے لگی ابھی میں ان تبدیلیوں میں مگن تھا کہ پرندوں نے سرگوشیاں پھر سے شروع کردی کہنے لگے انسان پھر سے دست و گریبان ہونے لگا ہے اس بار میدان دوسری سمت کی سرحد ہے الہامی اور باطنی نظریے کی جنگ ہے مگر اُسکا ایندھن اسی دھرتی سے مہیا ہوگا بہت سے ایسے چہرے جنہوں نے بچپن میری سنگت میں گزارا تھا اس جنگ کی نظر ہو گئے میری رگوں نے تو ان کا خون نہیں چکھا مگر میرے کسی ہم جنس نے تو چکھا ہوگا تب میں سوچنے لگا انسان کو نظریہ الہامی سب سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اس کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے وقت نے پھر انگڑائی لی اور مجھے نئی تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں میں شہر کے وسط میں آ گیا اب میرے پاس پرندے کم آتے کیونکہ انسان سے انہیں خطرہ تھا وہ کہتے جو اپنوں کو نہیں چھوڑتا وہ ہمیں کیسے چھوڑے گا وقت گزاری کے لیے میں انسانی چہرے پڑھنے لگا مگر وہاں بھی خوف و مایوسی کی ایک تاریخ رقم تھی میں انکے چہرے پڑھتا اور ہنستا ماحول تو پرامن ہے پھر یہ کیوں خوف زدہ ہیں؟ میری پناہ میں رات گزارنے والے پرندے بھی ایسی خوف زدہ سرگوشیاں کرنے لگے جن سے مجھے پریشانی ہونے لگی چند دن پرانی بات ہے میرے پہلو میں چند سرکاری دفاتر ہیں جن کی وجہ سے دوپہر تک یہاں اچھا خاصا ہجوم لگا رہتا ہے رونق اپنے عروج پر تھی کہ سماعت شکن دھماکہ ہوا اور دیکھتے میرے نیچے انسانی خون کا راوی بہنے لگا میری رگیں سیر ہو گئیں مگر خون تھا کہ کیا بتاؤں ہر طرف بکھرے انسانی اعضاء اور خون کیسا وحشت ناک منظر تھا وہ میری رگوں کو خون ایک رتی بھی نہ بھایا اور عجیب سی بیماری نے مجھے آن لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ میری جوانی رہی اور نہ ہریالی مجھے سوکھا کیا لگا پشت در پشت اپنا ٹھکانہ بنانے والے پرندا جنبیوں کی طرح غیب ہو گئے جب سب چلے گئے تھے تو تم کیوں نہیں گئے کم بخت بتا کیوں نہیں گیا تو چل ایک بات تمہیں بتا تا بڑے پتے کی ہے "انسان کو بس مقدم اپنی نسل کا خون بہانا ہے وجہ وہ خود ڈھونڈ لیتا ہے اور وجہ اتنی بونگی ہوتی ہے کہ چند سال بعد خود وجہ کو کوس رہا ہوتا ہے"

تحریر: تنویر فیصل





افسانہ شہرِخموشاں

ازقلم: اریبہ اریب (لیہ)

وہ ایک ستر سے اسی کے درمیان کی بوڑھی عورت لگ رہی تھی۔ جو ایک گلی میں کھڑی شاید کوئی گھر تلاش کر رہی تھی۔ ایک گھر کے سامنے رک کے وہ گھر کو دیکھنے لگی تھی۔ شاید پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ جس کی حالت ہر لحاظ سے بدل چکی تھی۔ اسکے بچوں نے گھر تو بڑے کر لیے تھے۔ مگر اس عرصے میں شاید ان کے دل بہت چھوٹے ہو گئے تھے۔ بوڑھی عورت اس گھر کو دیکھ رہی تھی زندگی کے پچاس بہاریں اس گھر میں گزار دیں۔ یک دم وہ ایک صدا پہ پلٹی۔ ایک بچہ جس کی حالت بتا رہی تھی کہ کافی عرصے سے شاید کچھ کھانے کو نہیں ملا۔ اس میلے کچیلے بچے کو دیکھ کے اسکو اپنے بچوں کی یاد ستائی۔ اس کو معلوم تھا اگر وہ گھر کے اندر گئے تو کوئی اسکی نہیں سن پائے گا۔ اسکی پوتی یشمہ باہر آئی اور اس بچے کو احسان کرنے کے انداز میں روٹی دی اور دروازہ اس کے منہ پہ دے مارا۔ وہ خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔ دروازہ کی آواز سے چونکی اور گھر کے اندر جانے کا فیصلہ کیا۔ اسکی پوتی یشمہ جس کے سر سے دوپٹہ نہیں اترتا تھا آج وہ تنگ شرٹ اور جینز زیب تن کیے ہوئے تھی۔ تین سال بعد اس نے اس گھر میں قدم رکھا۔ پورچ میں مہران کھڑی تھی شاید اس کے جانے کے بعد لی تھی۔ گھر میں شاید ابھی باقی سب نہیں جاگے تھے۔ تبھی خاموشی تھی۔ کوارٹر سے کھانسنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ بڑی بہو کیچن میں شاید ناشتہ بنا رہی تھی۔ کیونکہ اس کے بچے بھوک کے بہت کچے تھے اور اسکا بڑا بیٹا شاید دکان پہ جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ وہ اسے مخاطب کرتی رہیں۔ مگر اس نے عجلت میں توجہ نہیں دی اسکی ماں اس سے بھیک کے انداز میں کچھ مانگ رہی تھی اور وہ مسلسل نظر انداز کر رہا تھا ماں بے بسی سے چپ ہو گئے۔ اسکو پتہ تھا اس کا بیٹا اس کی نہیں سنے گا اور وہ جلدی جلدی ناشتہ کرنے لگا۔ ماں اپنے ہی بیٹے سے بات کرنے کے لیے تمہید باندھتی رہی۔ بیٹے کی نظر کبھی گھڑی کی طرف جاتی اور کبھی وہ موبائل پہ گاہے بگاہے نظر ڈال لیتا شاید کسی کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔

موبائل کی مدھم سی روشنی نے اسکے بیٹے کی توجہ کھینچ لی۔ وہ جو صبح سے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسکو مصروف دیکھ کے اپنی دوسرے بیٹے کے پاس گئیں جو لیپ ٹاپ پہ جھکا شاید اپنے آفس کا کام کر رہا تھا۔ اسکی بھانجی جس کو وہ بڑے چاؤ سے بیاہ کے لائی تھیں۔ آج اسے مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ اس کا بیٹا جس کے رونے پہ اسکی ممتا تڑپ جاتی تھی۔ آج اس سے کتنا بے خبر تھا۔

جی خاور صاحب میں دین محمد بات کر رہا ہوں۔ دین محمد میں مصروفیت کی وجہ سے آنہیں سکوں گا۔ ماں کی قبر پہ پھول چڑھا دینا اور ہاں قبر کی صفائی ستھرائی کا تو خیال رکھ رہے ہو ناں۔ جی جی صاحب رکھ رہا ہوں۔ پچھلی بار بھی ماں کی قبر بارش کی وجہ سے زمین میں دب گئی تھی۔ جی صاحب آپ کسی دن آکے دیکھ جائیں۔ آج وقت نہیں ہے کل جمعہ ہے کل آؤں گا ان شاءاللہ۔ جی صاحب۔ خدا حافظ۔ وہ اپنے بیٹے کو چیخ چیخ کے کہہ رہی تھی کہ اس کی قبر پکی ہونے کی وجہ سے اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ اس کو قبر کے پکے ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسکو تو اب کی ضرورت ہے۔ اسکی بڑی بہو جو ہر جمعرات قرآن

شریف کے ختم کا اہتمام کرتی تھی۔شاید اس بار بڑی بیٹی کی شادی کی وجہ سے بھول گئی تھی۔وہ اپنے بیٹے کے پیچھے پیچھے پھرتی رہی یہاں تک کہ وہ اپنی دکان پہ پہنچ گیا۔اس کی ماں ہاتھ آگے کیے اسکے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔وہ پھر بھی اپنی ماں کو کچھ نہ دے سکا۔

امام جعفر سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''جمعرات کے دن رب کائنات روحوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ زمین سے تمہیں اپنی مغفرت کے لیے جو ملتا ہے۔لے آؤ تو اس وقت مرحوم باپ اپنی زندہ بیٹی کے پیچھے اور مرحوم ماں اپنے زندہ بیٹے کے پیچھے اس طرح چیخ و پکار کر رہے ہوتے ہیں اگر تم ان کی آواز سن لو تو اپنے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال لو۔''

اس بوڑھی عورت نے دیکھا۔بہوؤں کے باپ ان کے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں چیخ و پکار کر رہے ہیں مگر وہ شاید بہری ہو گئی ہیں۔ان کو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا۔اس کے بیٹے بھی شاید بہرے ہو گئے تھے۔وہ بھی تو اس بوڑھی کی نہیں سن رہے تھے۔شام کے وقت ایک قافلہ قبرستان کی طرف رواں دواں تھا۔جن میں کچھ لوگوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے شاید وہ وہاں نئے آئے تھے اور کچھ کے سر جھکے ہوئے تھے۔شاید انکے گھر والوں نے انہیں خالی ہاتھ واپس لوٹا دیا تھا۔وہ بوڑھی عورت بھی انہیں میں شامل تھی۔مگر اس کی سہیلی بانو نے اسے آدھا ثواب دے دیا تھا۔اس کا بیٹا حافظ قرآن تھا۔اکثر اپنی ماں کے لیے تحفے بھیجتا رہتا تھا۔اور ایک اس کے بچے تھے اس سے بے حد غافل اتنی دولت اور تعلیم کے باوجود کچھ نہ بھیج سکے۔وہ تو مری ہوئی ماں تھی۔انہوں نے تو زندہ باپ کی قدر نہ کی۔کوارٹر میں موجود اس کا شوہر جو اس کے مرنے سے پہلے بہت ہشاش بشاش رہتا تھا۔اور ہمیشہ نک سک سے تیار رہتا تھا۔آج ایک کمرے میں کمزور اور نحیف بدن کے ساتھ کافی دنوں کے پہنے ہوئے کپڑے جن میں سلوٹیں تھیں بے بسی کے ساتھ موجود تھا کہ ان سے کہاں اپنے بچوں کی تربیت میں کمی رہ گئی تھی۔آج اپنے شوہر کی حالت دیکھ کر اسکو وہ دن یاد آ گئے تھے جب وہ اس گھر میں بیاہ کے آئی تھیں۔دو دن بعد شوہر نے ڈانٹ دیا کہ میرے کپڑوں میں اتنی سلوٹیں کیوں ہیں کیا تمھیں کپڑے استری کرنا بھی نہیں آتا۔بچوں نے باپ کو کوارٹر میں جگہ دے کے احسان کیا تھا شاید۔بچے باپ کو اپنے دوستوں کے پاس نہیں بیٹھنے دیتے کہ بابا چوکڑی مار کے چائے سڑ سڑ کر کے پیتے ہیں ہمیں دوستوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔ان کے سامنے کھانستے ہیں۔اتنا زور سے بولتے ہیں کے سامنے والے کے منہ پہ تھوک کے ننھے قطرے جا پہنچتے ہیں۔بچوں کے رویے جان کے لوٹ آئی تھی۔اب انہیں اس کی کوئی ضرورت تھی۔کیونکہ ماں کی جگہ اب بیویوں نے لے لی تھی۔



ایلن اور میں

جس وقت میں پیدا ہوا تھا ایلن نے عین اسی لمحے میرے پہلو میں آنکھ کھولی تھی۔اس کے سارے وجود سے ایسا نور پھوٹتا تھا کہ ایک لمحے کو میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ایلن، جو صرف مسکراتا تھا یا یک ٹک آنکھیں جمائے مجھے تکتا رہتا تھا۔کبھی کبھی میں سوچتا کہ ایلن کون ہے؟ کیا یہ وہ محافظ فرشتہ ہے جو جنت سے میرے ساتھ اُتارا گیا تھا یا وہ شہزادہ جو ہر رات ماں کی کہانیوں سے نکل کے میرے خوابوں میں آجاتا ہے۔جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا ایلن بھی میرے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا۔پھر جس دن آغوش مادر سے رہائی حاصل کر کے میں دوڑتا دوڑتا پائیں باغ کو نکل گیا ایلن کسی سائے کی طرح میرے ساتھ ساتھ رہا۔میں پگڈنڈیوں پر اچھلتا کودتا جاتا تھا اور کسی لمحے اڑ کر آسمان کو چھو مسکراتا تھا اور مسکراتا بھی ایسے کہ جیسے کسی نادیدہ قوت نے اس کے لب سی لیے تھے اور وہ صرف آنکھوں سے لینا چاہتا تھا۔میں نے مڑ کر ایلن کو دیکھا میری اٹھکیلیاں اس کا من گدگداتی تھیں لیکن وہ قہقہہ نہیں لگاتا تھا،صرف مسکراتا تھا۔میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا ایسا کہ پیڑوں پر بیٹھے پنچھی ایک لمحے کو سہم گئے اور پھر قلانچیں بھر کے ہوا میں اڑ گئے۔میں ان کے پیچھے ہو لیا اور کیاریوں پر سے پھلانگتا باغ کے تاریک حصے میں آ گیا۔وہاں درختوں کی سامنے آ کھڑا ہوا اس کی مسکراہٹ غائب تھی اور چہرے پہ غصہ آیا کہ میں نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا۔اس سے پہلے کہ میں اچک کر سامنے لگے سیب اور امرود توڑ لیتا،ایلن میرے ڈالیاں قسم قسم کے پھلوں سے جھکی جاتی تھی اور آپس میں گڈمڈ ہو کے آکاش کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔اچانک مجھے یاد میں ڈٹ گیا۔" کیا ہوا اگر یہ باغ میرا نہیں ہے لیکن میں تو آزاد ہوں نا۔ان پنچھیوں کی طرح جو باغ کے کسی بھی پھل کو اپنی چونچوں سے کتر دیں۔میں یہ پھل ضرور کھاؤں گا۔"میں نے تیوری چڑھائی تو اس کی انکھوں میں چمکتا نور یک دم بجھ گیا،اس نے تاسف سے میری طرف دیکھا اور نگاہیں پھیر کے چل دیا۔ایلن،میرا دوست مجھے اس قدر پیارا تھا کہ اس کی ناراضگی کے ڈر سے میں نے پھل توڑنے کا ارادہ ترک کر دیا۔میں نے دوڑ کے اسے پیچھے سے جا لیا اور میرے بازو پنکھ بنے تو میں ایلن کے ساتھ فضا میں تیرنے لگا۔ہواؤں سے اٹھکیلیاں کرتا،بادلوں کی سواری کرتا ایلن میرے مسکرایا اور ایسے کے مسکراتے مسکراتے میرے گرد گول سے چکر کاٹنے لگا اور میرا ہاتھ تھام کے مجھے ہوا

میں اچھال دیا۔اپنے خالی ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیے۔ایلن نے دیکھا تو اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت یکدم جلنے لگی۔اب کہ وہ ساتھ کتنا خوش تھا نا۔۔

بڑے میدان میں پیپل کی کھوہ کے عین پیچھے جہاں خاردار جھاڑیاں اگتی ہیں،آبشار کے پانی نے اپنا رستہ بنالیا تھا۔سنا ہے اس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تیرتی ہیں جو سورج کی روشنی میں اپنا رنگ بدلتی ہیں۔لڑکے بالے اج اپنی ماؤں سے چھپ چھپ کر مچھلیاں دیکھنے جائیں گے۔ان کے ساتھ ہو لینے سے پہلے میں ایلن سے آنکھ بچانا چاہتا تھا۔وہ ساتھ ہولیا تو خوامخواہ مغزماری کرے گا۔۔

میدان میں خوب بھگدڑ مچی۔لڑکے کھیلتے کھیلتے پیپل کی اونچی ڈال تک چڑھ گئے۔آبشار بہنے لگی تو سب وہاں جمع ہوئے۔پانیوں میں کیسی پیاری مخلوق تیرتی تھی۔ہاتھوں سے پھسل پھسل جاتی تھی۔"دوست! کیوں نہ ایک شیشے کے مرتبان میں ڈال کر گھر لے جائیں؟" میں نے آنکھ مار کے لڑکے کو مخاطب کیا۔۔

"ہاں لیکن وہ ناراض ہوجائے گا۔"وہ دھیمے سے بولا۔"وہ کون؟" میں آگے ہوا۔۔۔

وہاں وہ کھڑا تھا ایلن جیسا جس کے سارے وجود سے نور کی شعائیں پھوٹتی تھی۔میں کھڑا ہوگیا اور گھبرا کے ادھر "وہی "اس نے انگلی سے پیپل کی کھوہ کی طرف اشارہ کیا۔آبشار کنارے ہر جگہ وہ کھڑے تھے۔لڑکے اپنے اپنے مرتبان لے کران کی طرف بڑھنے لگے۔انہوں نے خالی مرتبان دیکھے اور اُدھر دیکھنے لگا۔پھر میں نے جہاں جہاں نگاہ دوڑائی وہ مجھے کھڑے دکھائی دیے۔پیپل کی آڑ میں جھاڑیوں کے پاس قدموں میں رکھا اور اس کی طرف دیکھا۔اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت جب جل اٹھی تو میں اس کے قدموں سے اور رہواؤں میں اچھال دیا۔میں نے دور سے ان کو اٹھکیلیاں کرتے دیکھا تو گھر دوڑ آیا۔اپنا خالی مرتبان میں نے ایلن کے مسکرانے لگے۔ایسے کہ مسکراتے مسکراتے لڑکوں کے گرد گول چکر کاٹنے لگے۔انہوں نے لڑکوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھایا لپٹ گیا۔پیارے ایلن! میں تمہیں کبھی ناراض نہیں کرسکتا۔پھر میرا اقرار وہی بنا جو ایلن کی ہاں تھی اور میری نفی دراصل ایلن کا انکار تھی۔رفتہ رفتہ وہ میرا فیصلہ ساز بنتا گیا۔اس کے وجود کا نور بڑھتا رہا اور اسی نور سے ہے میں نے اپنی زندگی کی راہیں تلاشیں۔

ایک موڑ پہنچ کر میرے من میں شعور کے دروازے مکمل طور پر وا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آس پاس دھوکہ دہی اور لوٹ،مار مجھے میدانوں میں،پیڑوں سے پرے،محفل میں،ویرانے میں،فصیلوں کے پار الغرض ہر طرف دکھائی دیتے تھے،اب نہ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔جھوٹ بکتا ہے،سچ چھپتا ہے،ایماندار غریب ہے اور دیانت میں شرم ہے۔جو نورانی وجود کبھی تھے۔میں گھبرا کے پیچھے مڑا۔صد شکر ایلن وہیں تھا۔۔

دوست،حضرت،حضور،میں نے بازار میں چلتے ہر شخص کو کاندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑا۔"ان فیصلہ سازوں کا کیا بنا؟"وہ نورانی وجود کیا ہوئے؟"۔"وہ کیونکر بجھ گئے؟"۔

سب نے ہونقوں کی طرح میرا چہرہ دیکھا اور پھر ایک دوجے کو دیکھ کر قہقہہ لگایا۔۔

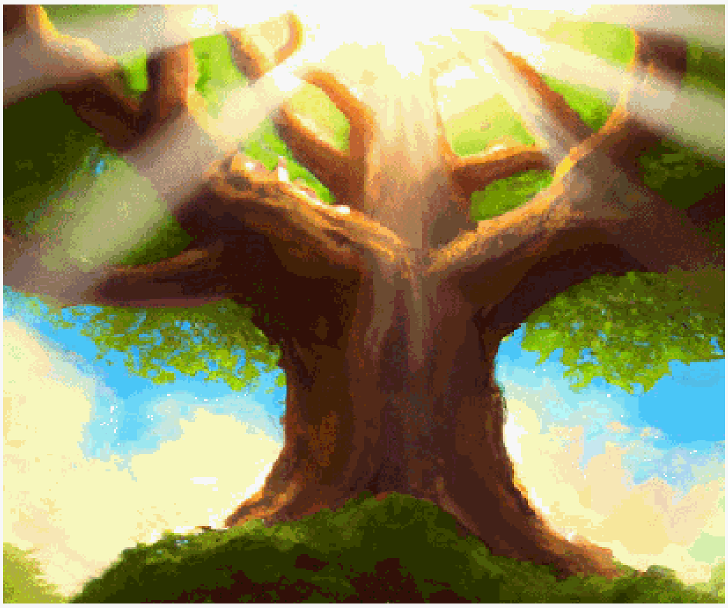
"میاں!وہ سب زر کے بھوکے تھے۔ہمارا سب اسباب کھا گئے۔ہم سچ بولتے تو وہ اور روشن ہوتے گئے لیکن ہماری جیبیں خالی کر گئے۔ہمارے نعمت خانے بھرتے گئے۔ہماری زبانیں دنیا کی لذتوں سے آشنا ہوگئیں۔ان کے بجھ جانے سے خوشحالی ہی"وہ ہماری ترقی کی راہوں میں آن کھڑے ہوئے تھے۔ہم نے ان کی باتوں پہ اپنے کان بند کیئے تو ہمارے مکان وسیع ہوتے الی ہوگئیں۔"ان میں سے ایک بولا۔۔۔خوشحالی ہے۔وہ ہمارے دشمن تھے"۔ہجوم کا شور بڑھتا گیا تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ذیلی سڑک پہ ایلن میرے ساتھ چل رہا تھا۔زرق برق ملبوس پہنے لوگوں کا ہجوم سامنے تھا۔وہ سب کتنے

خوش باش تھے

۔میرا ہاتھ اپنی خالی جیب کی طرف اٹھ گیا۔" کیا واقعی ایلین نے میرا سب اسباب کھا لیا ہے۔جبھی وہ اتنا روشن، اتنا تنومند ہے۔"میں نے کنکھیوں سے ایلین کو گھورا۔صبح میں نے چاہا کہ ایلین سے آنکھ بچا کر نکلوں اور آزاد فضا میں نتھنے پھیلا کر خوب سانس لوں۔میرا اقرار آج صرف میرا ہوگا اور میرا انکار میری ہی نفی ہوگا۔آج سے فیصلوں کی کوئی کسوٹی نہ ہوگی۔کتنا آسان ہے نا سب۔میں گنگنانے لگا۔آزادی کی مہک کیسی پیاری ہے۔میں نے خلاؤں میں اڑ جانا چاہا لیکن اپنی جیب کے بوجھ سے جھکا جاتا تھا۔گھر آیا

تو ایلین ایک کونے میں بجھا بجھا سا بیٹھا تھا۔میں اسکے قریب ہولیا"ایلین !میرے دوست!میرے خوشی، تمہاری خوشی کیوں نہیں بن سکتی"۔ایلین نے سنا اور اٹھ کے چل دیا۔ہزار جھوٹ میں لوگوں نے ایک سچ کہا تھا کہ یہ ہماری ترقی کی راہوں میں آن کھڑے ہوئے تھے۔بجھا بجھا سا ایلین میرے فیصلوں پہ احتجاج کرتا رہ گیا۔میری سماعتیں اس کے ہی نہیں۔وہ بجھا تو میرے آس پاس جلتی روشنیاں بھی یکدم بجھ سی گئیں۔میرے آشیانے میں ہزار طرح چراغ جلتے الفاظ پہ نجانے کیوں بہری ہو جاتی تھیں۔رفتہ رفتہ اسکا وجود بلکل اندھیر ہو گیا جیسے وہاں روشنی کا گزر کبھی تھا۔پھر بھی ہر بار چلتے چلتے میں ٹھوکر کھاتا اور لڑکھڑا جاتا۔کھنکتے سکوں کی موسیقی تمام رات مجھے لوریاں دیتی تھی لیکن آنکھوں میں نیند نہ اترتی تھی۔میں نے اٹھ اٹھ کے اپنی تجوریاں دیکھیں۔وہ سب چمکدار تھیں پھر اس قدر ہے۔ایلین !ایلین !ایلین جا چکا ہے لیکن ہر طرف خوشحالی ہی خوشحالی ہے۔۔اندھیرا کیوں ہے۔۔اب رتجگوں کے علاج کو دوائیں ہیں، ذہنی سکون کو نسخے ہیں، روشنی کو قمقمے ہیں۔لیکن ایلین نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تحریر: رتبہ ایمان (جوہر آباد)



روشنی کی تلاش

کسی گاؤں میں ایک نور نامی بچی رہتی تھی۔اس کا گاؤں شہری آبادی سے دور ہونے کی وجہ سے برقی سہولیات سے محروم تھا۔اور رات کو بہت زیادہ اندھیرا ہوجانے کی وجہ سے اسے بہت ڈر لگتا تھا۔وہ اپنے گاؤں کو روشن کرنا چاہتی تھی۔نور نے سن رکھا تھا کہ ایک دور کے جنگل میں ایک روشنی کا درخت ہے جس سے وہ گمشدہ روشنی دوبارہ حاصل کرسکتی ہے۔وہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس درخت کی تلاش کرے گی۔

نور نے جنگل میں اپنا سفر شروع کیا۔راستے میں اُس نے کئی لوگ دیکھے جو اُسے روکنے کی کوشش کرتے۔لیکن نور کے عزم و ارادہ نے اُسے روکا نہیں۔آخر کار،نور نے روشنی کے درخت کو پایا اور اُس سے گمشدہ روشنی کا خزانہ حاصل کیا۔واپس آکر وہ اپنے گاؤں کو روشن کرنے کا جو عہد کیا تھا اسے پورا کیا۔

نورا کی کہانی گاؤں والوں کو روشنی اور امید کی راہ دکھاتی ہے۔اس نے ثابت کیا کہ جب انسان محنت کرتا ہے اور اپنے عزم اور ارادے پر قائم رہتا ہے تو وہ کسی بھی مشکل کا سامنا کرسکتا ہے اور روشنی کی تلاش میں کامیاب ہوسکتا ہے۔عزم و ارادہ اور محنت کی روشنی ہر مشکل کو آسان بنا سکتی ہے۔

تحریر:اسلام کبیر (کبیر والا)



شاہی دربار

پس منظر: دربار لگا ہوا ہے بادشاہ کی خالی نشست کے دائیں طرف دو کرسیوں پر وزیر براجمان ہیں اور اتنے میں آواز بلند ہوتی ہے ۔

داروغہ: باادب باملاحظہ اپنی اپنی جیبوں سے ہوشیار بادشاہ واپسی پر کاٹ نہیں لیتے کالے علم کی کایا پلٹ کر سنگ دل محبوبہ کو آپ کے قدموں میں پیش کرنے والے بادشاہ سلامت علی خاں تشریف لا رہے ہیں

بادشاہ کے تشریف لاتے ہی وزیر اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کر:

آداب عرض ہے حضور

بادشاہ سلامت: آداب

بادشاہ سلامت: کیا حالات و واقعات ہیں؟؟

وزیر: حضور کچھ اچھی خبریں ہیں اور کچھ بری آپ پہلے کونسی سننا پسند کریں گے؟؟

بادشاہ: پہلے ہمیں تم ... کوئی بھی نا سناؤ رہنے دو

اس پر وزیر کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر بادشاہ: غصہ کر گیا

بادشاہ سلامت: شاہی جاسوس کو پیش کیا جائے

داروغہ: (موبائل پر میسج کرتے ہوئے) جاسوس جلدی آؤ بادشاہ بُلا رہا ہے

بادشاہ: (موبائل دیکھ کر) یہ کیا بدتمیزی ہے؟

داروغہ: بادشاہ سلامت جاسوس کو اپنے واٹس ایپ گروپ میں شامل کیا ہوا ہے

بادشاہ سلامت: شاہی جاسوس کو بندے کے پتروں کی طرح پیش کیا جائے

داروغہ با آواز بلند: شاہی جاسوس حاضر ہو ...

جاسوس دربار میں حاضر ہوتے ہوئے سر جھکائے: آداب عرض ہے حضور

بادشاہ: آج کے حالات بتاؤ کیا ہیں اور وزیروں کی طرف دیکھتے ہوئے آج اس کا پہلا دن ہے اس کو مبارک دو

وزیر اسے مبارک دے رہے ہیں اور جاسوس خیر مبارک کہتے ہوئے مبارکباد سمیٹ رہا ہے۔

بادشاہ پھر سے: کیا رپورٹ لائے ہو آج کی؟؟

جاسوس: رپورٹ آج ہی آئی ہے اور شوگر 240 ہو گئی ہے۔

بادشاہ: ہم اس کا حل بتاتے ہیں جب سرسوں کے تیل میں بھگو کر 33 کوڑے پڑے تو شوگر خود بخو دنیچے آجائے گی

جاسوس: گستاخی معاف بادشاہ سلامت لوگ آپ کو بہت گالیاں دیتے ہیں

یہ سن کر وزیر ایک دوسرے کے کان میں اگر پڑ بادشاہ کو رہی تو ہمیں بھی پڑ رہی ہونگی

داروغہ: بادشاہ سلامت ایسی باتیں دل پر نہیں لیتے ایسے تو لوگ مجھے بھی گوندہ کہتے ہیں

بادشاہ: تم نے 'و' اپنی طرف سے لگالی ہے وہ اکیلا گندہ کہتے ہونگے

جاسوس: بادشاہ سلامت خبر لایا ہوں ایک گھر میں شور سنا ہے دو لوگ باتیں کر رہے تھے وہ آپس میں رشتے داری کرنا چاہ رہے تھے ایک لڑکی والا اور دوسرا لڑکے والا اور لڑکے کا باپ جہیز مانگ رہا تھا اور لڑکی کا بوڑھا باپ اس کی منتیں کر رہا تھا۔

بادشاہ سلامت: یہ جہیز ہمارے معاشرے میں بہت بڑی لعنت ہے پیش کرو اس بد بخت باپ کو جو اپنا بیٹا بیچنا چاہتا ہے۔

وزیر: (یہ سب سن کر) یہ بہت بڑا المیہ ہے ایک باپ اپنی بیٹی کو پالتا ہے بڑا کرتا ہے اسے تعلیم دلواتا ہے

(اور اتنے میں لڑکی اور لڑکے کے باپ کو دربار میں پیش کر دیا جاتا ہے)

بادشاہ سلامت: (ان دونوں کی طرف دیکھ کر) آپ کی جھکی ہوئی گردن بتا رہی ہے کہ آپ بیٹی کے باپ ہیں اور یہ بد بخت بیٹا فروش

بیٹی کا باپ: بادشاہ سلامت میں نے اپنی بیٹی کو بڑا کیا پڑھایا لکھایا اس کے لیے تھوڑا جہیز بنایا اور یہ مجھ سے بڑی بڑی چیزوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔

بادشاہ سلامت: (لڑکے کے باپ سے) کیا مانگتا ہے تو ؟؟

لڑکے کا باپ: بادشاہ سلامت میں تو کچھ نہیں مانگتا اگر میں نے گاڑی کا کہا ہے تو وہ ان کے داماد اور ان کی بیٹی نے گھومنا پھرنا ہے اور اے سی کا کہا وہ بھی انہیں کے کمرے ہی لگنا ہے اور فریج کا ٹھنڈا پانی بھی ان کی بیٹی نے پینا ہے میرا اس سے کیا لینا دینا؟

بادشاہ سلامت: کتنے بے حس انسان ہو تم تمہیں شرم نہیں آتی یہ سب مانگتے ہوئے اس بوڑھے باپ کی طرف دیکھو جس کی کمر میں خم آگیا ہے اپنی بیٹی کو پالتے پالتے اگر تم اس کی جگہ بیٹی کے باپ ہوتے تو کیا گزرتی تم پر ہمارا دل کر رہا تمہارا سر تن سے جدا کر دیں۔

وزیر: بادشاہ سلامت اگر وہ جہیز کا بندوبست نہیں کر سکتا تو نقدی دے دے سامان یہ خود خرید لے گا۔

بادشاہ: حد ادب! لڑکی کی شادی بالکل سادگی سے ہوگی دو کپڑوں میں اور اگر اب اس نے جہیز کا مطالبہ کیا تو ہم اس کا سر تن سے جدا کر دیں گے۔

اور اسی کے ساتھ بادشاہ سلامت دربار برخاست کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

انتخاب: اکرام الحق (فلاپ لکھاری حاصلپور)



لہروں پہ ڈال دو جو بھنور میں ہو ناؤ تو۔۔۔
تم بھی خدا کی طرح کرو ناخداؤ تو۔۔۔۔؟
ایسا تھا ایک شوخ کی چارہ گری کا حُسن
بھرنے کو آ گیا تھا کئی بار گھاؤ تو
دونوں وہ صورتیں ہیں کہ جلنے لگے ہے جسم
صحبت میں شعلہ رُو کی نہ آؤ تو، آؤ تو
ہاں دوست! '' دکھ کوئی نہیں سنتا '' بجا کہا
کیا کچھ تمہارا حال رہا ہے؟ سناؤ تو۔۔۔
ہم وہ فقیر ہیں جنہیں کہتا رہے نصیب
جو کچھ بھی چاہیے ہے بتاؤ، بتاؤ تو
لب کیوں بکھیرتے ہیں دھوئیں کی جگہ پہ مُشک
دل میں اُسی طرح ہے ابھی بھی الاؤ تو
اب حل یہی ہے سارے ملو اور پل پڑو
کر ہی رہے ہو ورنہ '' بچاؤ بچاؤ '' تو
وہ عالِمِ طلب ہے کہ ہاتھوں سے چھین لیں
قدرت کو یہ پڑی ہے کہ صبر آزماؤ تو
کیوں دنگ ہو زبیر! سنو دوستوں کے جھوٹ
فنکار کیا کمال کے ہیں، مسکراؤ تو

کلام : زبیرحمزہ (قلعہ دیدارسنگھ)



غزل

تم اگر دل سے مرے یار محبت کرتے
اپنے تو اپنے ہیں اغیار محبت کرتے
ہم کو جذبات کی رسوائیاں منظور نہیں
کیسے اک شخص سے دو بار محبت کرتے
شاخِ الفت پہ سدا پھول وفا کے کھلتے
کاش! سب لوگ ثمردار محبت کرتے
میں نے ہر شخص کے رستے میں بچھائیں پلکیں
عمر گزری ہے مری پیار، محبت کرتے
سامنے آتے اگر آپ مسیحا بن کر
آپ سے آپ کے بیمار محبت کرتے

تحریر:حماد باقر (گلگت بلتستان)



کچھ اشعار دوستوں کی نذر

وہ شخص جو پسند تھا مل تو گیا مگر
جس شخص کو ملے اسے آئے نہیں پسند

جیسے ترا غم پال کے رکھا ہے مری جان
ایسے کبھی اولاد بھی پالی نہیں جاتی

پھر سے برداشت خسارا نہیں ہوتا ہم سے
معذرت عشق دوبارا نہیں ہوتا ہم سے

اب نکالو بھی ملاقات کی صورت کوئی
صرف یادوں پہ گزرا نہیں ہوتا ہم سے

سال دو سال میں ہوتے ہیں میسر خود کو
رابطہ روز ہمارا نہیں ہوتا ہم سے!!!!!

حال دل تباہ جسے میں سنا سکوں
ایسا کوئی بھی شخص نہیں ہے جہان میں

آپ اتنے جو قریب آرہے ہیں
یہ کوئی آپ کی سازش ہوگی!

آپ کوئی بھی تکلف نہ کریں
آپ کی عین نوازش ہوگئی

ترے آستاں سے تھی اٹھنے کی دیر
اداسی پھر اپنا مقدر بنی

افسوس صد افسوس کہ قربت نہیں باقی
صد شکر کہ اوقات پتا چل گئی تیری!!!

تری خوشی کے لیے ہی تو آئے ہیں پردیس!
وگرنہ بانہوں کے گھیرے کسے نہیں پسند

مت پوچھ؟ حالتِ دلِ بے تاب دوستاں
دل میں اترنا تھا جنھیں دل سے اتر گئے!

ترے آستاں سے اٹھائے گئے
کہ جیسے جہاں سے اٹھائے گئے

اٹھانا کسی طور بنتا نہ تھا
مگر پھر بھی یاں سے اٹھائے گئے

اپنے مطلب سے ہے تم کو مطلب
اس کا مطلب کہ مطلب کے ہو تم

جیسا تو چاہتا ہے بنوں گا نہ ویسا میں
ایسا اگر قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ جا

مجھ کو معاف کیجئے نا آپ جائیے
جا کر کے! کوئی اپنے برابر کا دیکھئے!!

ترا غرور ترا مان تو ڑ سکتا تھا
میں چاہتا تو تمھیں یار چھوڑ سکتا تھا

جس سے تمام عمر نبھائی نہ جا سکے
ایسے ہی ایک شخص کو سونپا گیا ہمیں

فقط نمازوں سے تو رب نہیں ملا کرتا
حقوق بندوں کے بھی فرض ہیں بندگی کے ساتھ

طلب کسی کی رہے نہ باقی مجھے تو ہو جا میسر ایسے
سدا رہے ساتھ تو ہمارے کہاں سے لائیں مقدر ایسے

تمھیں بھلانا بہت ہے مشکل یہ غم چھپانا ہے اس سے مشکل
یہ روح نکلے بھی تو نکلے سما گیا ہے تو اندر ایسے

ہماری سانسیں پگھل رہی ہیں! ہمارا دل بھی مچل رہا ہے
میں کر نہ جاؤں کوئی شرارت نہ بیٹھ میرے برابر ایسے

کلام: سردار وسیم اکرم سیمی (خاک کیکوٹ برکوٹ ہری پور ہزارہ)

کلام: **سندوین** (برما)

جنگ زندگی

وہ جنگ
میں جیت گیا، آخر میں
ناانصافی، انصاف سے پہلے
خاموشی سے گھٹنے ٹیکنا
بھیڑوں کے لباس میں بھیڑیا
جعلی
جلد میں نے اسے الگ کر دیا
اپنے گھٹنوں کے بل رہنے کے بجائے
کھڑے ہو کر مرنا بہتر ہے
خاندانی ہیرو
کھڑے ہونے اور مرنے کی ہمت سے بھرپور
میں نے جنگ کا سامنا کیا
خوش رہو ماں...
بھیڑیا بھاگ گیا
مبارک باپ......
بلی کا پنجا
مجھے چھپنے کا موقع نہیں ملا
خاندان کی حفاظت کے لیے
جب آپ اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں
جب آپ جرات مندانہ قدم اٹھانے لگیں گے
اچھی قسمت کہ
اس نے ہیرو سے مصافحہ کیا
تحریر: سندوین (برما)

اے فلسطین

آپ کی پیٹھ کے اوپر
بہادر مجاہد ہیں
اپنی بانہوں میں
ناراضگی سے بھرا ہوا ہے
وہ اٹھیں گے
بچے ہیں
سیدھے اپنی گلی میں
ہر طرح سے سوار
خونخوار ہیں
بے قابو رونا
والدین کے آنسو ہیں
اے فلسطین
آپ جوئے ہوئے ہیں
ہیروز کے لیے
سوائے دعا کے
میں کچھ نہیں دے سکتا
آپ کے ساتھ
میں ٹوٹے دل سے رو رہا ہوں
تحریر: سنداوین (برما)

انتخاب: احمد حسین زرگر (کنڈل)

خود, خودی سے لگی
زندگی آگہی سے لگی
اس عاشقی کے دھندے میں
ہر کسی کی کسی سے لگی
پتنگے جلتے ہیں کہتے ہیں
لطف ہے روشنی سے لگی
جو بچھڑتے ہیں جانِ جاناں سے
کب اُن کی پھر ہنسی سے لگی
وہی حامد, وہی ساجد زرگر
لو جس کی جا تجھی سے لگی
تحریر: احمد حسین زرگر (کنڈل)

تحریر: طلحہ مدرج (کراچی)

نا جانے مجھے پیار ہے
نا جانے مجھے پیار ہے
یا یہ کیسا خمار ہے
پتوں کے جھڑنے سے
خوشبو کے جھونکوں میں
دکھتا ہے تُو ہی کیوں؟
لگتا سراپا تُو
گھٹا کے گرجنے میں
رت کے بدلنے میں
لگتا سراپا تُو
دکھتا ہے تُو ہی کیوں؟
نا جانے مجھے پیار ہے
یا یہ کیسا خمار ہے
قیس کا ٹکڑا یوں
کانچ سا بکھرا ہوں
تیرے بنا اے دل
کیسے میں زندہ ہوں
ویراں سا تھا پہلے
رقصِ جنوں میں دل
حیراں نہ تھا پہلے
مردہ میں تھا پہلے
جیسے میں مردہ تھا
پہلے، میں مردہ تھا
نا جانے مجھے پیار ہے
یا یہ کیسا خمار ہے

ٹیم دانش کدہ

ٹیم لیڈر: زوہیب اشرف (سینسیبل)

ممبرز:

وقاص صاحب

عبدالمالک صاحب

نعیم صاحب

تحقیق وتدوین: زوہیب اشرف

دوسری پوزیشن

ٹیم کا نام: ادبی دنیا

ٹیم لیڈر: سحر خالد

ٹیم ممبرز:۔

سدرہ رمضان

زین الدین

محمد احمد

عرفان منظور

حرا اعوان

تیسری پوزیشن

ٹیم: صنفِ آہن

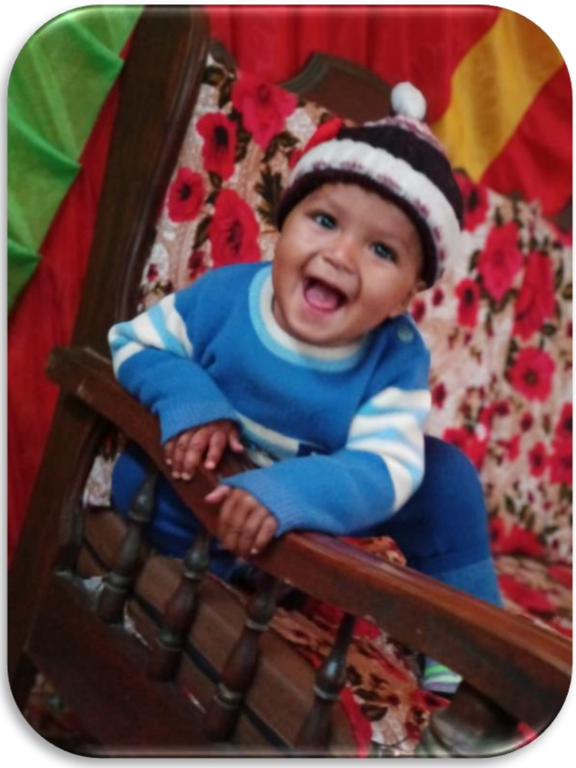
ٹیم لیڈر: تاشہ پسونہ

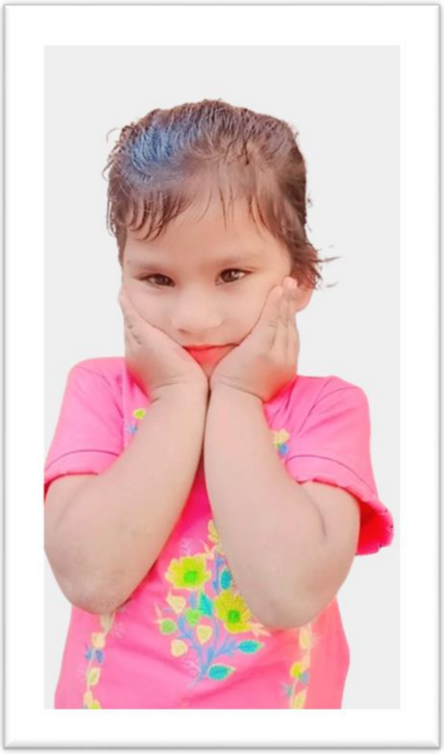
ٹیم ممبرز:

رتبہ ایمان

ہانیہ فرائین

حنا







آتینوسیر
کرانواں





